ماہنامہ

نوائے صوفیہ

شمارہ نمبر ۵۲ قیمت بارہ روپے ستمبر اکتوبر ۱۹۹۹ء



مدینہ منورہ کا تاریخی قبرستان - جنت البقیع

جنت البقیع واقع مدینہ منورہ جہاں روضۂ اطہر حضرت فاطمۃ الزہرا موجود ہے

ما خادم و ساجد همه دم سوی محمد صلی الله علیه وسلم

سروده: دکتر محمد حسین تسبیحی رها دانشور بزرگ ایرانی

قرآن خدا، نور خدا، روی محمد ﷺ — جان و دل ما، بسته به گیسوی محمد ﷺ

... همه جانب آن روضهٔ اقدس — آن گنبد خضرای سما جوی محمد ﷺ

... شب افروز خدا، صاحب قرآن — روشنگر راه همگان روی محمد ﷺ

... گلشن عشق دو سرا، جلوهٔ الله — محراب محبت بود ابروی محمد ﷺ

... صف زده مژگان و دو ابروی سیاهش — زیبندهٔ چشمان خدا جوی محمد ﷺ

... عاشق درگاه و دیم، در همه احوال — این دیده و دل گشته روان سوی محمد ﷺ

... بود از رحمت او غرق محبت — در معنی قرآن خدا، خوی محمد ﷺ

دل بستهٔ آن سروم و آن گلشن خوشبو — قربان گل روی و سیه موی محمد ﷺ

ای رحمت حق بهر همه عالم و آدم — جانم شده پیمانگر خوشخوی محمد ﷺ

آن هادی برحق که بود در همه عالم — شد کشف حقیقت که زنم هوی محمد ﷺ

... رخ او روشنی جنت و فردوس — پرگار وجود آمده نیروی محمد ﷺ

خورشید جمالش بود این صفحهٔ هستی — کوثر بود آن چشمه و آن جوی محمد ﷺ

... شمس درخشان و گلستان سماوات — شد موهبت و همت حق گوی محمد ﷺ

قرآن خدا معجز افکار محمد ﷺ — مقصود رسالت گل خوشبوی محمد ﷺ

شمشاد قدش برده دل عالی و دانی — وآن خال و خد چهرهٔ نیکوی محمد ﷺ

... تبسم همه مجذوب لبانش — محبوب خدا، راه وفا، کوی محمد ﷺ

در وقت سخن، منطق او، منطق الله — شد ذات احد، همره و پهلوی محمد ﷺ

روح القدس از چهرهٔ او نور گرفته — آن ضرب کلیمی زده بازوی محمد ﷺ

آن صفه نشینان همه یاران وفادار — آیینهٔ افکار و تکاپوی محمد ﷺ

ازواج شریفش به حق عفت و عصمت — خاتون بهشت، فاطمه مهروی محمد ﷺ

... آل کسا، داده ندا آیهٔ تطهیر — چوگان هدایت بزند گوی محمد ﷺ

... ذکری بردل اشجع ما کی — محتاج و غنی بر در و باروی محمد ﷺ

... غار حرا نور شفاعت رسد اکنون — ما خادم و ساجد همه دم سوی محمد ﷺ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

ماھنامہ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل

شمارہ نمبر ۵۲ قیمت بارہ روپے ستمبر واکتوبر ۱۹۹۹

بانی: ڈاکٹر غازی محمد نعیم ' مدیر: علامہ محمد بشیر ' آرٹ ڈیزائننگ: جی ایچ معروفی

نوائے صوفیہ میں چھپنے والے تمام مضامین اور خبروں کی ذمہ داری مضمون نگار اور نامہ نگار حضرات پر عائد ہوتی ہے

خط و کتابت کا پتہ: 358-A سیکٹر نمبر G-6/1-1 اسلام آباد پاکستان

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

تفکر و تدبر

فنا اور خوفِ فنا

ڈاکٹر غازی محمد نعیم

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

کل من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال و الاکرام ط

یعنی کائنات کی ہر شے فنا ہو جائے گی اور صرف خدائے بزرگ و برتر کی ذات پاک ہی باقی رہے گی۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ ایک اور پیرائے میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

کل نفس ذائقة الموت ط

ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خالق حیات و کائنات نے اپنی بے مثال کاری گری سے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور روئے زمین کو ویرانۂ وجود کی بے کراں وسعت میں ایک سرسبز و شاداب باغ کی مانند بنایا اور اس باغ کی تزئین و آرائش کی خاطر اپنے دست قدرت سے وہ وہ گلکاریاں کیں کہ ان نیرنگیوں کو دیکھ کر اہل نظر کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مظاہر قدرت کی رنگا رنگیوں پر نظر ڈالی جائے تو ایک مظہر جو سب سے نمایاں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ذرہ کائنات میں ایک حرکت، ایک سوز و تڑپ اور ایک مسلسل تغیر کی کیفیت موجود ہے جس کے باعث کائنات کی ہر شے ہر لحظہ بدل رہی ہے۔ فلسفیانہ زبان میں اسے تجدد امثال کہتے ہیں جس کی رو سے بقول اقبال علیہ الرحمہ:

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات

پھر ایک اور مظہر قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ ہر مخلوق خصوصاً ذی روح اشیاء جن کے جسم و روح حیات چند روزہ کی مدت میں مسلسل ارتقاء پذیر ہوتے ہیں خود اپنے اندر ایک فنا کا عنصر بھی لئے ہوئے ہیں۔ بقول کسی فلسفی شاعر کے:

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

چنانچہ وجود انسانی کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے بعد اہل علم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انسانی وجود کے اندر فنا اور موت کا عنصر روز اول سے ہی ودیعت شدہ ہوتا ہے بلکہ یوں کہئے کہ فنا وجود کی بنیادی جزو ترکیبی ہے۔ عام مشاہدے کی بات ہے کہ ایک خاص عمر جی لینے کے بعد خود بخود قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں، بڑھاپا جوانی پر غالب آجاتا ہے، امراض و آفات انسان کو اطراف و جوانب سے گھیر لیتے ہیں اور وہ ان کی معیت میں باول نخواستہ موت کی وادی میں اتر جاتا ہے۔ ماہرین علم تشریح الابدان نے مشاہدہ کیا ہے کہ انسانی خلیوں کے جینز GENES کے اندر ایک ایسا پیغام پوشیدہ ہوتا ہے جو PROGRAMMED CELL DEATH کا باعث ہے۔ نیز ایسے جینز بھی دریافت ہوئے ہیں جن کا گھس کر ضائع ہو جانا بڑھاپے کا باعث بنتا ہے اور

آخر کار موت پر منتج ہو جاتا ہے۔ انسانی کروموسوم کے آخری حصے پر جو TELOMERES ہوتے ہیں جو ساخت کے اعتبار سے چھ نیوکلیوٹائیڈز TTAGGG کی سیکڑوں ہزاروں بار تکرار پر مشتمل ہے۔ یہ ٹیلومیر انسانی خلیوں کے کروموسوم کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کا بتدریج ضائع ہونا بڑھاپے اور موت کا باعث بنتا ہے۔

موت اور فنا کا تصور ذہن انسانی کے لئے ایک ناپسندیدہ اور خوفناک حقیقت ہے۔ بظاہر یہ ایک ذلت خیز انجام ہے جس سے بڑے بڑے بادشاہوں، سالاروں، دانشوروں، تخلیق کاروں، تاجروں، فنکاروں، شاعروں، ادیبوں بلکہ مذہبی رہنماؤں اور ولیوں تک کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چشم زدن میں سارا حسن و جمال، ساری شوکت و سطوت، ساری شہرت و نیک نامی، ساری طاقت و زوری، ساری عقل و دانش، ساری خواہشیں اور سارے اب زمیں بوس ہو جاتے ہیں۔ اور انسان کو لحد کی آغوش میں ذرات زمین کا حصہ بننے کے لئے اتار دیا جاتا ہے۔ کیا زندگی کی حقیقت بس اتنی ہے

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

انسانی انا اس حقیقت کو یوں قبول کرنے لئے تیار نہیں ہوتی اور شاید یہی حقیقت ہے جو حیات بعد الموت کے تصور کو انسان کے جمالیاتی حس کے لئے قابل قبول اور پسندیدہ بناتی ہے۔ پس حیات بعد الموت کا نظریہ ایک رجائی نظریہ ہے جو زندگی کے المناک انجام کے تصور سے آدمی کو قنوطیت کا شکار ہونے سے بچاتا ہے۔

اس قنوطیت سے بچنے کا ایک دوسرا پہلو ہے اور وہ یہ کہ ہم انفرادی زندگی کے دوام کی خود غرضانہ خواہش سے پیچھا چھڑائیں۔ یعنی اہل فکر سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ زندگی ایک متحرک کل کا نام ہے جو جمود کی کیفیت میں قائم نہیں رہ سکتی اور تمام ذی روح اس کل کے اجزاء ہیں اور خدا کا کنبہ ہیں۔ چنانچہ اگر کل باقی رہے گا تو جزو کو ظاہری فنا لاحق ہونے کے باوجود ایک حقیقی دوام حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ ایک غیر مذہبی اور سائنسی نوعیت کا نظریہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ہم میں سے ہر ایک خضر کی طرح عمر جاوداں پالے تو بہت جلد روئے زمین پر مزید انسانوں کے رہنے کی گنجائش ہی نہ رہے گی اور نئے پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے وجود کی بنیادی شرائط کا درجہ رکھنے والی ضروریات اور آسائشیں بسرعت ختم ہو جائیں گی اور یوں نسل انسانی اور دیگر تمام ذی روح مخلوق کی افزائش نسل کی گنجائش ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ حقیقت تسلیم کی گئی ہے کہ بقائے دوام IMMORTALITY اور افزائش نسل RE-PRODUCTION ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ پس اگر ہم یوں تصور کریں گے کہ ہماری اولاد بھی ہمارا تسلسل ہی تو ہیں اور ان کی صورت میں ہمیں ایک دیرپا بقا کی راحت حاصل ہو جاتی ہے تو انفرادی طور پر درازی عمر کی حریصانہ خواہش ختم ہو جائے گی۔

اس فکر کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ بیشک آدمی عمر خضری کیوں نہ پالے لیکن مقصد حیات مفقود ہو تو ایسی طول عمر کی کوئی حقیقی افادیت نہیں ہے۔ بیشتر انسانوں کی طبعی عمر بھی بغیر کسی تعمیری مصروفیت کے گزر جاتی ہے بلکہ ان کی زندگی ایک ایسی یک رنگی MONOTONY سے دوچار رہتی ہے کہ ان کے اندر جوش حیات ہی مفقود ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات نوبت زندگی کے خود اختیاری خاتمے یعنی خودکشی تک جا پہنچتی ہے۔ چنانچہ

بے صرفہ ہی گزرتی ہے گرچہ ہو عمر خضر
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے

(باقی صفحہ نمبر پر ملاحظہ کیجئے)

فقہ (گزشتہ سے پیوستہ)

مجموعۂ شریعتِ محمدیہ

ابوالعرفان علامہ محمد بشیر

والعاصر من القعود واحضار القلب فی افراط الامراض المصدعة والاوجاع المولمة مخیر بین الصلوٰة بالایمآء و بین تاخیرھا الی ان یقدر علیھا قاعدًا او قائمًا و فی کلّ حالةٍ من ھذہ الحالات .... مع القدرة علی القیام و القعود٥

ترجمہ

دورد سر والی بیماریوں اور تکلیف دہ دردوں کے بڑھ جانے کی صورت میں بیٹھنے اور دل کو حاضر رکھنے سے عاجز آنے والے کو اشارے سے نماز پڑھنے اور بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے اور بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہونے تک نماز کو مؤخر کرنے میں اختیار حاصل ہے۔ ان صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں اگر کوئی شخص نماز پڑھے تو اس کے حق میں نماز پڑھنا نہ ادا کے طور پر واجب ہے اور نہ ہی قضا کے طور پر۔ اگر وہ نماز کی دوبارہ ادائیگی کرے تو یہ افضل صورت ہے۔ بیٹھنے کی جو حالت قیام کی جگہ لیتی ہے اس صورت میں چارزانو ہو کر بیٹھنا بہتر ہے۔ بشرطیکہ ایسا کرنا آسان ہو، ورنہ جیسی صورت راس آئے کرے۔ نماز کے بعض حصوں کی جاآوری کھڑے ہو کر اور بعض حصوں کی جاآوری بیٹھ کر جائز ہوتی ہے۔ اگر تندرست آدمی عاجز آجائے یا عاجز آدمی تندرست ہو جائے خواہ یہ حالت ترقی کی صورت میں ہو یا تنزل کی صورت میں، دونوں صورتوں میں نماز کی از سر نو جاآوری کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بیٹھنے اور کھڑے ہونے پر قادر ہونے کے باوجود نماز نفل کی جاآوری بیٹھ کر یا لیٹ کر جائز ہو جاتی ہے۔

وضاحت

مندرجہ بالا عبارتوں میں امور ذیل کی قدرے وضاحت کی گئی ہے۔

۱۔ عاجز بیمار کا صوابدیدی اختیار

۲۔ اعادہ کا عدم وجوب

۳۔ چارزانو کی بہتری

۴۔ نماز کی تقسیم عملی

۵۔ قوت اور ضعف کا کرشمہ

۶۔ نوافل کی حریت وجودی

تفصیلِ وضاحت

۱۔ "عاجز بیمار کا صوابدیدی اختیار" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نماز گزار مختلف قسم کی تکلیف دہ بیماریوں اور مختلف الم انگیز دردوں کا شکار ہو جائے اور اس کی یہ تکلیف دہ حالت بڑھتی رہے تو ایسے نماز گزار کو شرعاً ایک صوابدیدی اختیار یوں حاصل

ہے کہ وہ نماز کی بجاآوری اشارے سے کرے۔ اگر اس کا دل چاہے تو اشارے سے نماز کی بجاآوری نہ کرے اور نماز کو اس وقت تک کے لئے موخر کیا جائے کہ وہ کھڑے ہو کر یا کم از کم بیٹھ کر نماز کی بجاآوری کر سکے۔ گویا وہ جس صورت کو اپنے لئے اطمینان بخش سمجھے اسی صورت پر عمل کرے۔

۲۔ "اعادہ کا عدم وجوب" کا مطلب یہ ہے کہ نماز گزار کو درپیش مذکورہ ناسماعد جسمانی حالات میں جس کسی حالت میں بھی وہ نماز کی بجاآوری کرے گا شرعاً اس کے لئے وہی کافی ہے۔ بدلتے حالات کے نتیجے میں اس کو پڑھی گئی نماز کی دوبارہ بجاآوری سے شرعاً چھوٹ حاصل ہے خواہ ادا کے طور پر ہو خواہ قضا کے طور پر تاہم اس کے لئے مزید ثواب دوبارہ ادا کرنے میں ہے۔ اسی کو اس کے حق میں بہتر قرار دیا گیا ہے اور واجب قرار نہیں دیا گیا۔

۳۔ "چارزانو کی بہتری" کا مطلب یہ ہے کہ نماز گزار بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس صورت میں قعدہ خفیفہ والی حالت قیام کی جگہ لیتی ہے۔ چنانچہ اس حالت میں اگر نماز گزار کو آسانی ہو تو وہ چارزانو ہو کر بیٹھے۔ یہ اس کے حق میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مزید ایک حکم ادب الیدین کے بیان میں آنے کو ہے۔ اگر وہ چار زانو ہو کر نہ بیٹھ سکے تو جس حالت میں وہ بیٹھ سکے بیٹھے۔

۴۔ "نماز کی تقسیم عملی" کا مطلب یہ ہے کہ نماز گزار نماز کی بجاآوری یوں کرے کہ اس سے نماز کی عملی تقسیم سامنے سامنے آتی ہو۔ مثلاً وہ چار رکعتوں والی نماز کی پہلی دو رکعتوں کو کھڑے ہو کر بجالائے باقی دو رکعتوں کو بیٹھ کر بجالائے ۔ اس سے عملاً نماز کی تقسیم ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں نماز گزار کی حالت کا بھی دوارہ سامنے آتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز کے منقسم حصوں کے ثواب کا تفاوت بھی امکانی ہے۔

۵۔ "قوت اور ضعف کا کرشمہ" کا مطلب یہ ہے کہ ایک نماز گزار پہلے تندرست تھا۔ تندرستی کی حالت میں اس نے نماز کی بجاآوری کا آغاز کیا۔ اتفاق سے نماز کی بجاآوری کے دوران وہ کمزوری کا شکار ہوا اور عاجز آگیا۔ یا یہ کہ ایک نماز گزار پہلے نہایت کمزوری کی وجہ سے عاجز آگیا تھا۔ عاجزی کی حالت میں اس نے نماز کی بجاآوری کا آغاز کیا۔ اتفاق سے نماز کی بجاآوری کے دوران وہ تندرست ہو گیا۔ نماز گزار کو درپیش یہ دونوں مختلف حالات خواہ ترقی کی صورت میں ہوں یعنی وہ تندرست تھا، کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا تھا، اچانک کمزوری کا شکار ہوا اور عاجز آگیا چنانچہ اب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے گا، خواہ تنزل کی صورت میں ہوں یعنی وہ عاجز نمازی تھا بیٹھ کر نماز پڑھتا تھا اچانک تندرستی پیدا ہو گئی اور وہ قوی بن گیا چنانچہ اب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔ ان حالتوں میں سے جو بھی حالت درپیش ہو نماز گزار کے لئے نماز کی از سر نو بجاآوری کی شرعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۶۔ "نوافل کی حریت وجودی" کا مطلب یہ ہے کہ نماز ہائے نوافل کا میدان جس طرح وسعت کا حامل ہے اسی طرح ان کی بجاآوری میں نماز گزار کی اپنی صوابدید کو شرعاً بہ دخل ہے۔ تندرست ہونے کے باوجود کمزور اور عاجز فرد کی طرح بیٹھ کر یا پھر لیٹ کر بھی نفل نماز کی بجاآوری کی جاسکتی ہے۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے بھی رکوع اور سجدے کے لئے اشاروں سے کام لیتا ہوا بھی نماز گزار نفل نماز کی بجاآوری کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان گزرا ہے......(جاری ہے)

ذکر اہل بیت

سیّدہ فاطمۃ الزہرا

مسز جی ایچ معروفی اسلام آباد

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ولادت ۲۰ جمادی الثانی کو ہوئی اس وقت پردوں میں آتش زدگی کے باعث خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا جا رہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس میں شریک تھے۔ جب حضرت فاطمہؑ کی عمر مبارک پانچ سال کی ہوئی تو نبوت کا نور چمکا جس نے کل روئے زمین کو منور کر دیا۔ اپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے انتقال کے وقت سیدۃ النساء کی عمر چودہ برس تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آپ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ جب کبھی سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے اپنے لخت جگر سے ملتے تھے اور جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے جاتی تھیں تو حضور بڑی محبت اور شفقت سے آپ کو اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جس بات سے میری بیٹی کو رنج ہوتا ہے اس سے مجھے بھی رنج ہوتا ہے اور فرماتے تھے کہ فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ ہجرت کے واقعے میں جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت اسامہ بن زید اور حضرت ابو رافع کو مکہ مکرمہ بھیج کر اپنے اہل وعیال کو جن میں حضرت فاطمہؑ بھی شامل تھیں مدینہ منورہ بلوایا۔ حضرت فاطمہؓ کے لئے بہت سے رشتے آئے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں فیصلہ ہوا۔ آپ نے خطبہ پڑھ کر نکاح کروایا۔ یہ نکاح ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک کے مہینے میں ہوا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ایوب انصاری کے گھر قیام پذیر تھے حاضرین کے لئے کھجوروں کا ایک تھال منگوایا گیا، چار سو مثقال چاندی مہر مقرر ہوا جس کی مقدار کا تخمینہ ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی ہے۔ زرہ بیچ کر حضرت علیؑ نے حق مہر ادا کیا۔ دونوں جہانوں کے سردار کی صاحبزادی اور جنت کی عورتوں کی سردار کا جہیز بھی کیا تھا۔ دو چادریں یمانی، دو نہالی، چار گدے، دو بازوبند چاندی کے، ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک مشکیزہ اور پانی کے لئے ایک برتن۔ حضرت علیؑ نے ولیمہ میں جو کی روٹی، کچھ کھجوریں اور کچھ مالیدہ مہمانوں کو پیش کیا۔ شادی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے، سیدۃ النساء سے لکڑی کے پیالے میں پانی منگوایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت فاطمہؑ پر اور پھر حضرت علیؑ کے جسم پر پانی چھڑک کر دعا فرمائی کہ اے اللہ ان دونوں کو اور ان کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ دونوں جہانوں کے سردار نے اپنی صاحبزادی کو دنیوی تکلیف برداشت کرنے اور ہمیشہ صبر کرنے کی نصیحت کی۔ آپؐ نے فرمایا اے بیٹی تکلیف پر صبر کرو کہ تم جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہو گی۔ پھر فرمایا خدیجہؓ فاطمہؑ، مریم اور آسیہ دنیا کی بہترین عورتیں ہیں۔ قریش مکہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقطوع النسل ہونے کا

طعنہ دیا تو سورہ کوثر نازل ہوئی جس میں رب العالمین نے خاتم النبیین سے فخریہ انداز میں فرمایا تحقیق ہم نے تجھے کوثر (خیر کثیر) عطا کیا پھر تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی دے بے شک تیرا دشمن ہی دم کٹا (بے اولاد) ہے۔ یہاں خیر کثیر سے مراد مفسرین کے نزدیک فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیھا ہیں۔ آج لاکھوں حسنی اور حسینی سادات دنیا کے گوشے گوشے میں نسل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمائندگی کر رہے ہیں جب کہ آپ کو طعنہ دینے والوں کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہؑ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

فاطمة بضعة منی من اذاها فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله

فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اسے تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔ اس ارشاد کے باوجود حضرت فاطمہ زہراؑ کو حضورؐ کی وفات کے بعد بہت سے مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں کہ "آپؐ کے بعد میرے اوپر ایسی مصیبتیں ٹوٹ پڑیں کہ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو دن راتوں میں بدل جاتے"۔

حضرت فاطمہؑ زہرا کی سیرت پاک جہاں مسلمان خواتین کے لئے مشعل راہ ہیں وہاں آپ کل خواتین عالم کے لئے بھی معلمہ اخلاق اور کل انسانی معاشرے کی تربیت کنندہ ہیں۔ آپ نے ثابت کیا کہ معاشرے کی اصلاح عورت کی اصلاح پر اور اس کا بگاڑ عورت کی بگاڑ پر منحصر ہے۔ فاطمہؑ اسلامی حکومت کے سربراہ کی صاحبزادی تھیں مگر آپ کے ہاتھ میں چکیاں پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑے ہوئے تھے۔ پانی ڈھونے سے کندھے زخمی ہو چکے تھے۔ پھٹے ہوئے پرانے بے رنگ کپڑے پہنتی تھیں۔

حسنؑ و حسینؑ اور زینبؑ و کلثومؑ کم عمر تھے۔ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کے علاوہ تمام گھریلو کام تن تنہا آپ کو خود کرنا پڑتا تھا۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا "خدا نے فاطمہؑ کی علم کے ذریعے برائیوں سے حفاظت فرمائی۔ آپ شہر علمؐ کی دختر، باب مدینۃ العلم کی زوجہ اور ریحانتین، جوانان جنت کے سرداروں حسنؑ اور حسینؑ کی ماں تھیں۔ بقول اقبالؒ

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

یعنی پیغمبر آخر الزمان کی صاحبزادی، ایک امام کی زوجہ، دو اماموں کی والدہ اور نو اماموں کی جدہ معظمہ تھیں۔ لہذا آپ کا علمی مقام اگر یہ ہو کہ آپ کی زیر تربیت کنیز تمیں قرآن کریم کے باہر سے گفتگو بھی نہ کرے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ آپ سورہ ھل اتی، آیہ تطہیر، آیہ مباہلہ، آیہ نجم اور سورہ کوثر کی مصداق ہیں۔ آپ کا گھر قرآن اور وحی اور ملائکہ کے نزول کا مقام ہے۔ شوہرداری کے علاوہ آپ کی تربیت اطفال بھی رہتی دنیا تک دنیائے اسلام کی خواتین کے لئے مشعل راہ ہے۔

حضرت فاطمہؑ نے آغوش خدیجہ میں آنکھ کھولی۔ آپ ابھی تین سال کی تھیں کہ مادر عزیز وفات پاگئیں اور کم سنی ہی سے پدر کی ہر مصیبت اور تکلیف میں دلجوئی فرما کر اور ان کے ہمراہ ہر مشکل اور ہر خطرے کا سامنا کر کے شریک کار نبوت ہونے کا حق ادا کیا۔ کبھی حالت نماز ابو جہل کی ڈالی ہوئی غلاظت ہٹا کر ان کی پشت مبارک دھلوائی تو کبھی جنگ احد میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت شہید ہونے پر ان کے دندان مبارک دھلوائے۔ بحیثیت دختر آپ کے مثالی کردار سے ہمیں درس ملتا ہے کہ اولاد پر ماں باپ کے کس قدر حقوق ہوتے ہیں۔ بحیثیت زوجہ آپ کا کردار خوارین کو نفس مطمئنہ کی تلقین کرتا ہے۔ یہ

صبر و رضا کا بہترین اور بلند ترین مقام ہے۔ جہاں سے دنیوی حرص و ہوس پست اور حقیر دکھائی دیتا ہے۔ پس جو بیویاں دنیوی ہوس میں مبتلا نہ ہوں گی اور اپنے شوہروں سے بے جا خواہشات اور دولت پرستی کا اظہار نہیں کریں گے، تو شوہر بھی اپنی کمائی بڑھانے کے لئے ناجائز ذرائع اپنانے پر مجبور نہ ہوں گے اور معاشرہ بھی بدعنوانی اور ناانصافی سے پاک رہے گا۔ حیثیت مادر جب آپ کو اولاد جیسی نعمت ملی تو ان کی بہترین تربیت فرما کر آپ نے اس نعمت خداوندی کا صحیح معنوں میں شکرانے کا حق ادا کیا۔ آپ کے دونوں فرزند حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کم عمری ہی سے سنجیدہ اور متین طبیعت کے ساتھ ساتھ زبردست علم و حکمت کے مالک تھے۔ حضرت فاطمہؑ نے اپنی تمام اولاد کی بلا تفریق پسر و دختر یکساں خطوط پر پرورش فرما کر ان میں عبادت، صداقت، دیانت، شجاعت اور حق پرستی کی صفات اجاگر فرمائیں جن کے باعث آپ کے دونوں بیٹے نہ صرف منصب امامت پر فائز ہوئے بلکہ ایک فرزند نے امت میں امن قائم رکھا اور دوسرے نے حقانیت کا دفاع فرمایا اور اسی مشن کے لئے دونوں کی شہادتوں نے دین حق کو دوام بخشا۔ آپ کی دونوں بیٹیاں زینب اور کلثوم ایسی شیر دل خواتین ثابت ہوئیں کہ جنہوں نے واقعہ کربلا کے بعد یزیدی استبداد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت فاطمہؑ نے اپنی حیات پاک کے ہر پہلو سے مکمل طور شریک کار رسالت ہونے کا حق ادا کر دیا۔ دین کے لئے آپ کی بیش قیمت خدمات کے عوض ہی رسول برحق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مودت فاطمہؑ و اولاد فاطمہؑ کو اجر رسالت قرار دیا اور عقبیٰ میں بخشش کا وسیلہ قرار دیا۔ یہ نظریات کسی مخصوص فرقے کے نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں کے تمام مسالک کی کتب ثقہ میں ان کے حق میں دلائل موجود ہیں۔

بقیہ "تذکر و تفکر"

پس زندگی کی قدر و قیمت کے تعین کے وقت صرف مقدار QUANTITY کے بجائے معیار QUALITY کو ملحوظ خاطر رکھا جانا چاہئے چنانچہ سلطان ٹیپو شہید کہا کرتے تھے کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر بھاری ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے خوف فنا سے چھٹنے کا جواز تلاش کیا ہے۔ بایں ہمہ انسانوں کی ایک کثیر تعداد خوف فنا سے دامن چھڑانے میں ناکام نظر آتی ہے۔ خاص کر اس کے ساتھ ساتھ حیات بعد الموت کا وہ تصور جس میں خوف محبت پر غالب ہے جب شدت کے ساتھ انسانی سوچ پر حاوی رہنے لگے تو ایک خاص قسم کی ذہنی بیماری PSYCHIATRIC ILLNESS کا موجب بن جاتی ہے جو آدمی کے ذوق حیات اور جذبۂ عمل کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ گزشتہ شماروں میں ہم محبت اور خوف کے عنوان سے اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں۔ یہاں اس بات کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں کہ محبت ہی وہ قوت ہے جو خوف کو جڑ سے اکھاڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یعنی اللہ کے دوستوں یا اللہ سے محبت کرنے والوں کو کوئی خوف ہے نہ غم۔ چنانچہ اہل اللہ کی عبادت کی غرض وغایت نار جہنم کے خوف سے نجات ہوتی ہے نہ نعمتہائے بہشت کے حصول کی خواہش بلکہ وہ تو اپنے اس خالق کی قربت چاہتے ہیں جس کی عبادت عبادت کے لائق ہونے کی بناء پر کی جاتی ہے۔ اگر ذات خداوندی کو رحم اور محبت کا سرچشمہ سمجھا جائے اور اس محبت کے حصول کو زندگی کا مقصد و منشاء بنا لیا جائے تو خوف مرگ اور خوف عذاب کے ہاتھوں انسان اپنے جذبہ حیات اور جوش عمل کو مفلوج ہونے سے بچا سکتا ہے ☆

نوربخشیات (گزشتہ سے پیوستہ)

تعارف صوفیہ نوربخشیہ

مولانا انور الکوروی فاضل عربی ایم اے

صوفیہ نوربخشیہ کا عقیدہ امامت:

صوفیہ نوربخشیہ کے ہاں مسئلہ امامت کی بڑی اہمیت اور توضیح پائی جاتی ہے۔ صوفیہ نوربخشیہ کے ہاں امامت پر عقیدہ رکھنا واجب اعتقادی امور میں سے ہے چنانچہ شاہ سید محمد نوربخش قدس سرہ العزیز کتاب الاعتقادیہ میں فرماتے ہیں۔

و یجب ان تعتقد ان الامامۃ علی نوعین حقیقیۃ و اضافیۃ

اور اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ امامت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حقیقی امامت (۲) اضافی امامت

امامت حقیقی:

امامت کی جملہ صفات صوریہ، صفات معنویہ اور اس کے ارکان کا پوری طرح حاصل ہونا امامت حقیقی ہے۔

امامت کے شرائط یہ ہیں۔

۱۔ مرد ہونا
۲۔ آزاد ہونا
۳۔ بالغ ہونا
۴۔ عقلمند ہونا

اور امامت کی اصل یہ ہے کہ

۱۔ شجاعت والا ہو۔
۲۔ قریشی ہو۔ (چنانچہ فرمان رسولؐ ہے کہ الائمۃ من القریش یعنی ائمہ کرام کا تعلق قبیلہ قریش سے ہوگا۔)

امامت کی صفات صوریہ یہ ہیں کہ

۱۔ منصوصی طور پر سیادت کا مصداق ہو۔
۲۔ فاطمہ زہرا علیھا السلام کی طرف منسوب ہو۔
۳۔ عالم ہو۔
۴۔ پرہیزگار ہو۔
۵۔ شجاعت والا ہو۔
۶۔ سخاوت والا ہو۔

اور امامت کے ارکان یہ ہیں کہ

۱۔ علم کامل ہو (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الامام الضعیف ملعون کمزور امام ملعون ہے۔ یعنی وہ دینی معاملات میں دوسروں کا محتاج بن جائے۔)
۲۔ اصلاً و فرعاً صحیح سیادت کا حامل ہونا۔
۳۔ وسیع سلطنت کا ہونا۔
۴۔ کسی قسم کی پوشیدگی کے بغیر واضح اور صریح ولایت کا حامل ہونا۔

حضرت علی علیہ السلام کے سوا یہ جملہ صفات ائمہ

کرام میں سے کسی میں آج تک یک جا نہیں ہوئیں۔ لہذا حقیقی معنوں میں کامل امام وہ ہے جو امامت کی ان جملہ صفات کا حامل ہو۔

امامتِ اضافی :

جو امام صفات امامت میں سے بعض صفات کا حامل ہو تو جن صفات کا وہ حامل ہے اسی قدر وہ امام ہے۔ لہذا اس لحاظ سے اس کی امامت اضافی ٹھہرتی ہے۔

شاہ سید محمد نور بخش علیہ الرحمہ "کتاب الاعتقادیہ" میں امامت کے بیان کے اختتام پر اپنے بیٹے سے یوں مخاطب ہیں:

"بیٹے مجھے تیری حساس ذہانت پر مکمل اعتماد ہے تو سوچ بچار کر، گزشتہ اور باقی ماندہ ائمہ کرام کی خوب پہچان کر اور بڑی کامیابی سے ہمکنار ہو جا۔"

وجوبِ امامت :

سابقہ سطور میں عنوان بالا کی وضاحت شاہ سید محمد نوربخش کے روشن نظریات کی صورت میں ہو چکی ہے۔ وجوب امامت دین اسلام کا مشہور و معروف مسئلہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس کا صراحت کے ساتھ بیان ملتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند باتوں پر آزمایا تو انہوں نے ان کو پورا کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوں ہوا۔

انی جاعلک للناس اماماً

اے ابراہیم میں تجھے لوگوں کے واسطے امام بنانا چاہتا ہوں۔

تو ابراہیم نے عرض کیا

ومن ذریتی

اور میری اولاد میں سے بھی

تو فرمان الٰہی یوں ہوا کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں ملے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام معنوی انداز میں اس بات کا خوب مشاہدہ کر رہے تھے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور اس کا لازم جز یعنی امامت جاری و ساری رہے گا اور اس منصب کو تاقیامت لوگوں وجوبی طور پر ماننا پڑے گا چنانچہ امامت ابراہیمی امامت نبوت ہے جو تا ابد جاری رہنے والی چیز ہے اور اس کی آرزو انہوں نے اپنی اولاد کے لئے بھی فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم عرفاء اسلام نے بھی امامت کی وجوبیت پر کلام کیا ہے۔

چنانچہ محی الدین والسنۃ محدث اعظم حضرت امام الموحدین ابن عربی قدس سرہ نے اپنی مشہور تالیف "فتوحات مکیہ" کے فصل رابع فی معرفۃ التخلیص میں لکھا ہے۔

ثم قال اقامة الدین هو المطلوب ولا یصح الا بالامان فاتخاذ الامام واجب فی کل زمان

"پھر کہا کہ اقامت دین مطلوب ہے اور یہ بغیر امام کے درست نہیں۔ پس ہر زمانے میں اتخاذ امام واجب ہے یعنی امام کو حاصل کرنا ضروری ہے۔"

پھر انہوں نے امام کے شرائط کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ جب امامت کی شرائط پوری ہو گئیں اور انعقاد بیعت درست ہو گیا اور دنیا کو اس عہد کا پورا کرنا لازمی ہو گا۔ ایسے میں شاہ سید محمد نوربخش نے امامت پر اعتقاد رکھنے کو واجب قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

من لم یعرف امام زمانه فقد مات میتة الجاهلیة

جس نے اپنے وقت کے امام کو نہیں پہچانا تو یقیناً وہ جاہل کی سی موت مرا۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔

الشیخ فی قومه کالنبی فی امته

کسی قوم میں شیخ کی حیثیت اتنی ہے جتنی کسی امت میں ایک نبی کی ہوتی ہے۔

اور یہ بھی فرمان ہے کہ

من لم یری مصلحاً لم یفلح

جس نے کسی حقیقی مربی کو نہیں پایا تو اسے نجات حاصل نہیں ہوئی۔

(رسالہ تلویحات (قلمی) از شاہ سید محمد نور بخشؒ)

ارکان امامت:

امامت کے ارکان اور شرائط پر حضرت محی الدین ابن عربی نے بھی قلم اٹھایا ہے مگر یہاں ہم حضرت شاہ سید محمد نور بخش قدس سرہ کی تصنیف سے امامت کے ارکان کو مندرج کرتے ہیں کہ جو کہ اول الذکر ولی کامل کے مظہرات سے زیادہ عام فہم ہیں۔

چنانچہ شاہ سید محمد نور بخشؒ فرماتے ہیں۔

ان ارکان الامامة عندالاولیاء المحققین اربعة العلم و الولایة و السیادة و المملکة ولا یوجد امام بعد علی کانت امامته بالارکان الاربعة فان سائر ائمة اهل البیت کانت امامتهم بثلاثة ارکان العلم و الولایة والسیادة ۔ لان الملک لم لم یتیسر بعد علی لاحد من الائمة الاثنی عشر و بتلک الارکان الثلاثة ایضاً کانوا فائقین علی سائرالاولیاء و العلماء

بلاشبہ محققین اولیاء کرام کے نزدیک امامت کے چار ارکان ہیں۔

۱۔علم ۲۔ولایت ۳۔سیادت

۴۔مملکت

علی علیہ السلام کے بعد کوئی بھی امام ان چاروں کا حامل نہیں پایا گیا اور بے شک ائمہ اہل بیت سب کی امامت صرف تین ارکان کی حامل ہے۔

۱۔علم ۲۔ولایت ۳۔سیادت

کیونکہ مملکت بارہ ائمہ میں سے کسی کو میسر نہیں ہوئی۔ اور وہ ان تین ہی ارکان کے حامل ہوتے ہوئے تمام اولیاء اور علماء پر لائق فائق ہوئے ہیں۔

لفظ "امام" کی تفہیم اور تعمیم:

مضمون کی تفہیمی ضرورت کے پیش نظر ہم یہاں امام کے معانی و مطالب مندرج کرتے ہیں۔ عام طور عربی [illegible] اور اردو زبان کی لغات کی کتابوں میں پائے جانے والے معانی لغوی بھی ہیں اور اصطلاحی بھی مگر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر لفظ امام عام معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔

عربی زبان میں عام طور پر امام کے یہ معانی ہیں۔

پیشوا، کتاب، اعمال نامہ، رہنما، نماز پڑھانے والا، لیڈر، رہبر، راستہ، پگڈنڈی، شاہراہ، بادشاہ، سردار، حاکم، ماہر فن، پیران پیر، سربراہ، تسبیح کے دانوں کے سرے والا لمبا دانہ نیز بعض دفعہ کشتی کے اگلے حصے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ لغت عرب میں تنگ دامنی نام کو بھی نہیں ہے بلکہ اس زبان کی وسعت و فصاحت و بلاغت دنیا کی دیگر زبانوں پر فائق اور ممتاز ہے۔ لہذا لفظ امام میں ایک قسم کی عمومیت پائی جاتی ہے۔ گروہ کفر کی رہنمائی کرنے والے اور آگ کی طرف بلانے والے کو بھی عربی میں امام کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں فقاتلوا ائمة الکفر کا ارشاد موجود ہے۔ چنانچہ لفظ "امام" کی تفہیم کے باب میں اہل علم کو اس تعمیم سے بھی صرف نظر نہ کرنا چاہیے۔

(جاری ہے)☆☆

ہمدانیات (گزشتہ سے پیوستہ)

احوالِ شاہ ہمدانؒ

ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی مرحوم و ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم

ہمدان دنوں ایک مرید کی التماس پر یہ کام مکمل ہوا۔ اور اس کی تعمیل میں یہ مختصر کتاب لکھی گئی۔ یہ کتاب سلطنت ظاہری و باطنی کے قوانین کے امور لازم پر مشتمل ہے۔ اس میں حکومت و حکمرانی کے احکام اور دنیا و آخرت میں سعادت و کامرانی حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ اور اس کے دس باب ہیں۔

باب یکم: یہ ایمان کی شرطوں اور احکام اور اس کے کمال کے ان ضروری امور کا بیان ہے جو انسان کے ابدی عذاب سے نجات کا ذریعہ اور اس کی دائمی دولت اور نعمتوں تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

باب دوم۔ حقوق بندگی کی ادائیگی کے بارے میں ہے۔ باب سوم اخلاق بزرگیوں، حسن اخلاق اور حاکم و سلطان کے لئے خلفائے راشدین کی روش اختیار کرنے کے بارے میں ہے۔ باب چہارم میں والدین زوجین، اولاد، ماتحتوں رشتہ داروں اور دوستوں کے حقوق کا بیان ہے۔ باب پنجم سلطنت حکومت، امارت، رعایا کے حقوق، حکومت کی شرائط، اس سے عہدہ برآ ہونے کے خطرات اور عدل و انصاف و احسان کے واجب ہونے کے بارے میں ہے۔ باب ششم خلافت انسانی کے رموز پر مشتمل ہے۔ باب ہفتم میں امر معروف، نہی عن المنکر اور ان امور کے فضائل شرائط اور آداب کا بیان ہے۔ باب ہشتم، شکر نعمت کی حقیقتوں کے بیان اور حضرت باری تعالیٰ کے طرح طرح کے انعامات اور فضل و کرم کے بیان پر مشتمل ہے۔ باب نہم دنیوی مصیبتوں پر صبر کرنے کی حقیقت کے بیان میں ہے جو حکومت و سلطنت کے ضروری امور میں سے ہے۔ باب دہم تکبر اور غصے کی مذمت اور ان کی ماہیت کے بارے میں ہے اور اسی پر خاتمہ کتاب ہے۔ اس کتاب کا نام "ذخیرۃ الملوک" اس کے سبب تالیف (تقاضائے ملوک) کی بنا پر رکھا گیا ہے۔

"ذخیرۃ الملوک" متوسط قلم کے لکھنے سے کوئی 300 صفحات کی کتاب بنتی ہے۔ اس کتاب کی رو سے مصنف ایک عالم دین کے بجائے ایک صوفی درویش کے روپ سے زیادہ نمایاں ہیں۔ دوران بحث وہ آیات قرآن مجید، احادیث رسولؐ، اقوال بزرگان اور ہم مشرب شعراء کے ابیات نقل کرتے ہیں۔ احادیث بیشتر صحاح ستہ میں سے نقل کی گئی ہیں۔ کتاب میں مثالوں اور حکایات کو درج کیا گیا ہے۔ حکایت مستند ہیں۔ مگر بعض کی روایات ضعیف ہیں۔

باب یکم کا آغاز حدیث جبرائیلؑ سے ہے۔ یعنی اس حدیث رسولؐ میں سوال و جواب سے کام لیتے ہوئے حقیقت ایمان سمجھاتے ہیں۔ باب دوم میں ارکان اسلام سے بحث ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور روزے کے بارے میں مفصل بحثیں ملتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک اضافی کہ ہمارے بعض اکابر مصنفین کے پیش نظر غالباً یہ کتاب رہی ہے مثلاً روزے کے بارے میں جو کچھ علامہ اقبال نے اپنے خطبہ عیدالفطر (۱۹۳۲ء) میں لکھا یا مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے حقیقت صوم میں " وہ بیشتر ذخیرۃ الملوک کے بیان کے ساتھ متوارد اور مشترک ہے۔ عقائد اور اعمال کے اعتبار سے یہ دونوں باب کافی جامع ہیں۔

باب سوم حسن اخلاق اور مسلمان حکمران اور بادشاہوں کے لئے خلفائے راشدین کی تقلید و پیروی کی ضرورت کے بارے میں ہے۔ شاہ ہمدان اصلاح و تربیت کے قائل تھے۔ وہ پیغمبر حاکموں جیسے حضرت آدمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت داؤد، حضرت سلیمانؑ اور حضرت محمدؐ نیز چاروں خلفائے راشدین کی مثالی حکومت پر غور کرنے اور ان کی تقلید کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ خلفائے راشدین کی تاریخ چونکہ مفصل صورت میں دستیاب

ہے۔ لہٰذا ان کی روش کے حوالے کثرت سے دستیاب ہیں۔ ان مثالی حکمرانوں نے نہایت خدا ترسی کے ساتھ حکومت کی اور خلق خدا کی رشد و ہدایت اور ان کے رفاہ و آرام کا خیال رکھا۔ باب چہارم معاشرتی تعلقات پر مشتمل ہے۔ اس میں والدین، زوج و زوجہ، رشتہ داروں غلاموں، دوستوں، اور ہمسایوں وغیرہ کے حقوق کا بیان ہے۔ شاہ ہمدان مسائل کو علمی، فقہی اور ثقہ صورت میں بیان کرتے ہیں۔ وہ ہر بحث کا پورا احاطہ کرتے ہیں۔

مصنف کے نزدیک حاکموں کے مشیر اور ندیم ان کے دوست ہوتے ہیں۔ اچھے اور نیک مشیروں کا تقرر مسلمان حاکم کی اہم ذمہ داری ہے کیونکہ بد طینت مشیروں کے مشورے ملک اور اہل ملک کو تباہ کر دیتے ہیں۔ باب پنجم۔ ولایت، سلطنت، امارت اور حقوق رعایا کے بارے میں ہے کہ حکومت اسلامی کی شرائط اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ عدل و احسان کا وجود بھی اس باب میں مذکور ہے۔ یہ باب، باب سوم کا ہی تکملہ ہے۔ حاکم انبیاء اور خلفائے راشدین کی حکومت کے بارے میں اس میں موزوں حکایات ملتی ہیں۔ اس میں مسلمان اور ذمی رعایا کے بیس بیس حقوق جداگانہ طور پر لکھے گئے ہیں۔ حاکم یا بادشاہ کے لئے شرط اہلیت شاہ ہمدان نے فراست یا قیافہ شناسی بھی بتائی ہے۔ اس شرط کے ذریعے حاکم افراد کے تعین یا ان کی تقرری میں کام لے سکتا ہے۔ ذخیرۃ الملوک کا یہ حصہ انسان کا فراست نامہ یا قیافہ نامہ کے عنوان سے جداگانہ بھی ملتا ہے۔ البتہ ان قیاس آرائیوں کی اب کوئی علمی سند نہیں کہ رنگ، بال، ہاتھ، کان، آنکھ، ناک دانت، گال، گردن، کندھے، کف دست اور انگلیاں انسان کی اہلیت اور اس کے کردار کی غماز ہیں۔ باب ہشتم اس کتاب کا مشکل مگر نہایت اہم حصہ ہے۔ عنوان ہے۔ سلطنت معنوی کی توضیح۔ خلافت انسانی کے رموز سیاست دانی کی کیفیت فکر انسانی کے بنانے اور بگاڑنے سے ہے اور ولایت حسی کی تبدیلیوں اور تغیرات کی خلافت نفسی کے اسرار کی مقداروں سے بیان ہے۔ اس باب کے مشمولات تصوف اور دین سے مربوط ہیں چنانچہ قلب یا دل اور اس کی اہمیت خلیفہ روح اور وزیر عقل،

ربط صالح کے مراتب کی گزرگاہیں، درجات علوم، خلیفہ روح کی صفات، سخاوت اور حسن خلاق، سخاوت میں میانہ روی، آلام اور مصائب میں تحمل، انسان کی ملکی شیطانی قوتیں، انسان کی اقسام، فصول سال، سلطنت روحانی کی وسعت انسان کی اعلیٰ صفات جامعیت اور استدلال سے بیان کرتے ہیں۔ یہ اس باب کے چند ذیلی عنوان تھے۔ علامہ اقبال نے "جاوید نامہ" میں حقیقت شیطان" باج و خراج "اور روح و بدن وغیرہ کی بحثیں اسی باب کے تناظر میں کی ہیں۔ خلافت کے بارے میں بھی علامہ مرحوم نے کتاب مذکور میں "ذخیرۃ الملوک" کے اس باب سے تاثر لیا ہے۔ کتاب کا ساتواں باب بھی اپنے موضوع کا حق ادا کرتا ہے۔ احتساب بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کفایہ کے بارے میں ہے۔ فرض شخصاً ادا کیا جاتا ہے۔ یا حکومت اسلامی کے مامور کے طور پر مصنف نے اس باب میں احتساب اور محتسب کے حقوق اور اختیارات سے متعلق جملہ امور کا احاطہ کیا ہے۔

"ذخیرۃ الملوک" کے بقیہ تین ابواب ہشتم تا دہم کی کیفیت ان کے منقولہ عنوانات کی رو سے خاطر نشین کی جا سکتی ہے۔ ہر باب میں شکر، صبر اور تکبر کی اقسام کا ذکر ہے اور ان کے مراتب کا بھی۔ مبشر و نذیر ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔ ان ابواب کی بحثیں صوفیانہ، فلسفیانہ اور دینی ہیں۔ اختصار کی وجہ سے ہم ان کے مفصل تعارف سے دست کش ہوتے ہیں۔ آخری دسویں باب تکبر کے ذیلی عنوان "اسباب تکبر" کو ابن کربلائی نے اپنی کتاب "روضات الجنان و جنات الجنان" میں پورا نقل کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ جاوید نامہ کے حاشیے میں اس کتاب کو "کتاب الملوک" لکھ گئے مگر "ذخیرۃ الملوک" کی مناسبت سے انہوں نے شاہ ہمدان کو "محرم اسرار شاہان" لکھا ہے۔

مرشد معنی ناگاہان بودہ ای
محرم اسرار شاہان بودہ ای

ترجمہ: اے شاہ ہمدان آپ حقیقت میں صاحب نظر افراد کے مرشد ہیں اور بادشاہوں کے رازوں کے محرم رہے ہیں۔

اقبالیات (گزشتہ سے پیوستہ)

اقبال اور تصوّف

ذاکر حسین ذاکرؔ ایم۔ اے فلسفہ بی ای

عجمی تصوف کے حقیقی اثرات :

عجمی تصوف کی اصطلاح کو خود اقبال نے استعمال کیا اور اس سے مراد وہ روایتی تصوف ہے جو ایرانی افکار اور ہندی تعلیمات کے زیر اثر مسلمانوں میں رائج ہوا۔ خواجہ حسن نظامی کے مضمون "اسرار خودی" کے جواب میں اقبال نے اسی نام سے ایک جوابی مضمون تحریر کیا جس میں آپ عجمی تصوف کے جود پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "صوفی تحریک کو مٹانا میرا مقصد نہیں ۔ میرا مقصد محض حفاظت اسلام ہے۔ میں صرف یہ بات مسلمانوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ عجمی تصوف (عجمی اس واسطے کہ اس کی تدوین کرنے والوں میں بیشتر عجمی تھے) جزو اسلام نہیں۔ یہ ایک قسم کی رہبانیت ہے جس سے اسلام کو قطعاً تعلق نہیں اور جس کے اثر سے اسلامی اقوام میں قوت عمل مفقود ہو گئی ہے۔"

خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"تصوف جو مسلمانوں میں پیدا ہوا (اور اس جگہ تصوف سے میری مراد ایرانی تصوف ہے) اس نے ہر قوم کی رہبانیت سے فائدہ اٹھایا اور ہر راہبی تعلیم کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے یہاں تک کہ قرمطی تحریک سے بھی تصوف نے فائدہ اٹھایا ہے۔ محض اس وجہ سے کہ قرمطی تحریک کا مقصد بھی بالآخر قیود شرعیہ اسلامیہ کو فنا کرنا تھا اور بعض صوفیاء کی نسبت تاریخی شہادت موجود ہے کہ وہ اسی تحریک سے تعلق رکھتے تھے۔"

اقبال کے مطابق اسلامی تصوف پر سب سے زیادہ مضر اثرات ایرانی تصوف اور فلسفے کا مرتب ہوا۔ رہبانی اثرات شریعت مقدسہ کی آگاہی کے باوجود مسلمانوں میں در آئے۔

"مسلمان بھی اس رہبانیت سے نہ بچ سکے جس کی حقیقت سے قرآن نے انہیں آگاہ کر دیا تھا اور آج وہ آیات جو عیسائی راہبوں کے متعلق نازل ہوئی تھیں خود مسلمانوں پر صادق آتی ہیں۔ حالانکہ اکابر اسلام وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو رہبانیت کے خلاف متنبہ کرتے رہے۔"

جن بزرگان اسلام نے رہبانی اثرات کے خلاف جہاد کیا ہے ان میں سے اقبال خصوصیت کے ساتھ حضرت جنید بغدادی کا ذکر کرتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ رہبانی اثرات کے خلاف جہاد میں مسلمان صوفیاء ہی پیش پیش تھے۔ کیونکہ تصوف کو عیسائی راہبوں یا ہندی یوگیوں سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا جاہل صوفیوں کی وجہ سے پہنچا۔ "جاہل صوفی" کی اصطلاح حضرت سید علی ہجویری نے اس ضمن میں خصوصی طور پر استعمال کی ہے۔ عجمی تصوف کے خلاف بغاوت بھی اقبال نے ان بزرگان صوفیاء کی پیروی میں کی ہے۔ جن رجحانات کو اقبال عجمی تصوف سے تعبیر کرتے ہیں اسلامی تصوف کی تاریخ میں اس

مکتب کو متصوف بھی کہا جاتا ہے اور اس کی خصوصیات سکون و جمود، بے عملی اور محض فقر خانقاہی اور فرار عن الحیات ہے۔

عجمی تصوف جو شروع شروع میں شکست خوردہ اذہان کا پیداوار تھا اور ایرانیوں نے مسلمانوں سے جذبہ جہاد اور ذوق جہان بانی چھیننے کے لئے بطور آلہ استعمال کیا۔ بہت سے کم ہمت اور سکون پسند، کشمکش حیات سے خائف لوگوں کو بہت پسند آیا۔ اس کی خوب ترویج ہوئی اور آج بھی ان تعلیمات کو اصل اسلامی تعلیمات سے ممیز کرنا خاصا مشکل ہو کر رہ گیا ہے۔ اس تصوف نے ترک دنیا کے نام پر رہبانیت، صبر و رضا کے نام پر ظلم کا خوگر بننے، فقر کے نام پر غربت و افلاس، اعتکاف کے نام پر عمر بھر حجروں میں گھٹ کر رہ جانے، خلوت نشینی کے نام پر تجرد اور انسانی معاشرے اور انسانوں سے دوری، فنا فی اللہ کی آڑ میں نفی ذات، وسیلے کے نام پر قبر پرستی، روحانیت کے نام پر شعبدہ بازی اور طریقت کے نام پر شریعت سے بیگانہ ہونے کی تعلیم دی۔ یہی وہ عجمی تصوف ہے جس کے خلاف بغاوت کو اقبال اپنی تمام تر تحریروں کا مقصد کہتا ہے اور مسلمانوں میں اس طرح کے چند سلسلہ ہائے تصوف یا متصوفین کے گروہوں نے لفظ تصوف کو ہی بدنام کر رکھا ہے اور تصوف پر تمام تر تنقید انہی جاہل صوفیوں کی وجہ سے وارد ہوئی ہے۔ مزید یہ کہ ناقدین حضرات نے محض اسی طرح کی چند ایک مثالیں لے کر پورے اسلامی تصوف کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے لیکن حقیقی اسلامی تصوف کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس عجمی تصوف اور ان جاہل صوفیوں سے تو خود مسلم صوفیا بیزار ہیں۔ چنانچہ سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں " ہمارے اس زمانے میں علم تصوف کی حقیقت بالکل کھو کر رہ گئی ہے۔ بالخصوص اس دیار میں جہاں لوگ حرص و ہوا میں مبتلا ہیں اور تسلیم و رضا کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ علمائے زمانہ اور مدعیان وقت نے اس کی صورت مسخ کر رکھی ہے۔ ایسے دور میں ہمت ایسی چیز کی کرنی چاہئے جسے زمانہ کے ہاتھ نے نہ چھوا ہو اور سوائے خاصان حق کے تمام اہل ارادت اس سے منقطع ہوں اور تمام اہل معرفت کی معرفت اس سے خارج ہو۔ خاص و عام محض لفظی عبارت پر اکتفا کرتے ہیں اور حقیقت کو حجاب در حجاب رکھنے کے دلدادہ ہیں۔ تحقیق سے روگرداں ہو کر تقلید کے پرستار ہیں، تحقیق ان کی دنیا سے مفقود ہے۔ عوام اس صورت حال کو پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حق شناس ہیں، خواص خوش ہیں کیونکہ اس صورت حال کی وہ دل میں تمنا رکھتے ہیں۔ نفس میں حاجت اور سینہ میں میلان (لے کر) وہ اپنے اشغال کو شوق رویت باری اور سوز محبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مدعی خود اپنے دعوے کے باعث پورے معانی سے محروم ہوئے۔ مریدوں نے مجاہدہ سے منہ پھیر لیا۔ بے کار وہم و خیال کا نام مشاہدہ رکھ دیا۔ جھوٹے دعویداروں نے ان میں سے بعض چیزیں لوگوں کو شکار کرنے کے لئے چن لیں اور باقی چیزوں کو ملیامیٹ کر دیا۔ یہ اس لئے کہ صاحب طبع لوگ حسد و انکار کو بھی نعمت خداوندی سمجھتے ہیں۔ ایک دوسری جماعت کے لوگ بیٹھے مگر نہ پڑھ سکے اور نہ معنی سمجھ سکے۔ صرف عبارت کو پسند کیا۔ تاکہ اسے لکھیں یاد کریں اور کہتے پھریں کہ ہم علم تصوف و معرفت بیان کر رہے ہیں۔ یہ ان کی عین بدبختی ہے۔"

یہ کچھ ہے عجمی تصوف جس کی مزید تفصیل سید ہجویری یوں فرماتے ہیں۔

"خداوند عزوجل نے ہمیں ایسے دور میں پیدا کیا ہے جس میں لوگ ہوا وہوس کو شریعت کہتے ہیں۔ طلب جاہ، طلب حکومت اور تکبر کو عزت اور علم جانتے ہیں۔ خلق خدا سے

ریاکاری کو خوف خدا گردانتے ہیں اور کینہ کو دل میں چھپا رکھنے کو علم و بردباری، لڑائی کو مناظرہ، جنگ اور حماقت کو عظمت، منافقت کو زہد، ہوس کو سلوک اور ہزیان طبع کو معرفت، دل کی دھڑکن اور نفس کی تاویلات کو محبت، الحاد کو فقر، جحود و انکار کو تزکیہ، زندقہ و بے دینی کو فنا، حضورؐ کی شریعت کو چھوڑ دینے کو طریقت اور زمانے میں آفت پھیلانے کو معاملت سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ارباب حقیقت مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں اور وہ لوگ ہر طرف چھا گئے ہیں جس طرح پہلے دور میں آں حضورؐ کے اہل بیتؓ پر آل مروان غلبہ پا گئے تھے۔"

غرض عجمی تصوف سے مراد محض ایرانی تصوف یا مانویت نہیں بلکہ کچھ مسلمان طبقوں یا سلسلوں میں رائج وہ تصوف ہے جس میں رہبانیت اور اسلامی تعلیمات خلط ملط ہو گئے ہیں۔ علی ہجویریؒ کے درج بالا حقائق سے نہ صرف عجمی تصوف یعنی مسلمانوں کے اندر بے عمل صوفیوں اور نام نہاد پیروں اور فقیروں کے کردار پر روشنی پڑتی ہے وہیں اصل اسلامی تصوف کی روح سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

اقبال انہی بزرگوں کی پیروی میں انسانی خودی کی متحرک با عمل انقلاب آفرین، سخت کوش اور ارتقاء پذیر صفات کا دفاع کرتے ہوئے ہر اس عقیدے یا نظریے کو رد کرتے ہیں کہ جو کسی بھی پہلو سے نفی ذات یا تعمیر و تکمیل خودی کے لئے نقصان دہ ہو۔ اس سلسلے میں اقبال کا ہدف اول نظریہ وحدۃ الوجود ہے جسے حضرت محی الدین عربیؒ نے سب سے پہلے تفصیلاً پیش کیا۔ چونکہ وجودی تصوف کے نتائج اسلام کی حرکی روح میں جمود و سکون پیدا کرنے کا باعث بنے۔ اس لئے اقبال ان اثرات کو مسلمانوں کی عملی زندگی کے لئے مسموم اور نشہ آور قرار دیتے ہوئے اس سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اقبال خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط میں نظریہ وحدت الوجود کی تفصیل، انسانی رجحانات پر اس کے رہبانی اثرات اور تصوف کی اصطلاح سکر اور صحو پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اصل بات یہ ہے کہ صوفیاء کو توحید اور وحدت الوجود کا مفہوم سمجھنے میں سخت غلطی ہوئی ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں مترادف نہیں بلکہ مقدم الذکر خالص مذہبی ہے اور موخر الذکر کا مفہوم خالص فلسفیانہ، توحید کے مقابلہ میں اس کی ضد لفظ کثرت نہیں جیسا کہ صوفیا نے تصور کیا ہے بلکہ اس کی ضد شرک ہے۔ وحدت الوجود کی ضد کثرت ہے۔

اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے وحدت الوجود یا زمانہ حال کے فلسفہ یورپ کی اصطلاح میں توحید کو ثابت کیا وہ موحد تصور کئے گئے۔ حالانکہ ان کے ثابت کردہ مسئلے کا تعلق مذہب اسلام سے نہ تھا بلکہ نظام عالم کی حقیقت سے تھا۔ اسلام کی تعلیم نہایت صاف و روشن ہے یعنی عبادت کے قابل صرف ایک ذات ہے باقی جو کچھ کثرت نظام عالم میں نظر آتی ہے وہ سب کی سب مخلوق ہے۔ گو علمی اور فلسفیانہ اعتبار سے اس کی کنہ اور حقیقت ایک ہی ہو۔ چونکہ صوفیاء نے فلسفے اور مذہب کے دو مختلف مسائل یعنی توحید اور وحدۃ الوجود کو ایک ہی مسئلہ سمجھ لیا، اس واسطے ان کو یہ فکر ہوئی کہ توحید ثابت کرنے کا کوئی اور طریق ہونا چاہیے جو عقل و ادراک کے قوانین سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ اس غرض کے لئے حالت سکر ممد و معاون ہوئی اور یہ اصل ہے مسئلہ حال اور مقامات کی۔ مجھے حالت سکر کی واقعیت سے انکار نہیں۔ صرف اس بات سے انکار ہے کہ جس غرض کے لئے یہ حالت پیدا کی جاتی ہے وہ غرض اس سے مطلق پوری نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ سے زیادہ صاحب حال کو ایک علمی مسئلے کی

تصدیق ہو جاتی ہے نہ کہ مذہبی مسلکے کی۔"

اسی خط میں اقبال حضرت امام ربانی کا حوالہ دیتے ہوئے مسئلہ "گستن و پیوستن" اور حالت "صحو و سکر" کی حیثیت کا ذکر کرتے ہیں۔

"حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گستن اچھا ہے یا پیوستن۔ میرے نزدیک گستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی (عجمی) تصوف ہے اور اسی کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گزشتہ علماء اسلام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ آپ کے تصوف کی اصطلاح میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شان عبدیت انتہائی کمال روح انسانی کا ہے۔ اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں یا محی الدین عربی کے الفاظ میں عدم محض ہے۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ حالت "سکر" منشائے اسلام اور قوانین حیات کے مخالف ہے اور حالت صحو، جس کا دوسرا نام اسلام ہے قوانین حیات کے عین مطابق ہے اور رسول کریم کا منشا یہ تھا کہ ایسے آدمی پیدا ہوں جن کی مستقل حالت کیفیت صحو ہو یہی وجہ ہے کہ رسول کریمؐ کے صحابہ میں صدیقؓ و عمرؓ تو بکثرت ملتے ہیں مگر حافظ شیرازی کوئی نظر نہیں آتا۔"

گستن اور پیوستن کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ایک خط میں بھی انہیں خیالات کا اظہار کیا ہے کہ حیات اور اسلام کا تقاضا گستن ہے نہ کہ پیوستن:

"علمائے اسلام ابتداء سے آج تک تصوف وجودیہ کے مخالف رہے ہیں میں نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ ہندوؤں میں کشن کی گیتا اس کے خلاف ایک زبردست آواز تھی۔ اسلامی تصوف کا دارومدار گستن پر ہے۔ تصوف وجودیہ کا پیوستن یا فنا پر۔ اگر میں نے گستن کی حمایت کی ہے تو کوئی بدعت نہیں کی۔ میرا ذاتی میلان پیوستن کی طرف ہے مگر وقت کا تقاضا اور ہے اور میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے لکھنے پر مجبور تھا۔ دنیا مخالفت کرتی ہے تو کرے اس کی پرواہ نہیں میں نے اپنی بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

اقبال نے خواجہ حافظ سے متعلق اعتراضات کے جواب میں ایک مضمون بعنوان "اسرار خودی اور تصوف" لکھا جس میں دیگر مسائل کے علاوہ وحدۃ الوجود کی فلسفیانہ حیثیت کو واضح کرنے کے بعد اپنا مذہبی رویہ اس فلسفے کے تناظر میں بیان کیا ہے۔

"مسئلہ وحدت الوجود گویا مسئلہ تنزلات ستہ کی فلسفیانہ تکمیل ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ عقل انسانی خود بخود تنزلات ستہ سے وحدت الوجود تک پہنچی ہے۔ اکثر صرف اس مسئلے کے قائل ہیں بعض اس طرح کہ وحدت الوجود ایک حقیقت نفس امری ہے اور اس طرح کہ یہ محض ایک کیفیت قلبی یا مقام کا نام ہے۔ میرا مذہب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نظام عالم میں جاری و ساری نہیں بلکہ نظام عالم کا خالق ہے اور اس کی ربوبیت کی وجہ سے یہ نظام قائم ہے۔ جب وہ چاہے گا اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ حکماء کا مذہب تو جو کچھ ہے اس سے بحث نہیں۔ رونا اس بات کا ہے کہ یہ مسئلہ اسلامی لٹریچر کا ایک غیر منفک عنصر بن گیا ہے اور اس کے ذمہ دار زیادہ تر صوفی شاعر ہیں اور جو پست اخلاق اس فلسفیانہ اصول سے بطور نتیجہ پیدا ہوئے ہیں ان کا بہترین گولہ فارسی زبان کا لٹریچر ہے۔"

سر اسرار خودی کے عنوان سے تحریر کردہ مضمون میں جسے خواجہ حسن نظامی کے تنقیدی مضمون سر اسرار خودی کے جواب میں لکھا تھا، بھی مسئلہ وحدت الوجود کو غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں "مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق علمائے

امت کا اجماع ہے کہ قطعاً غیر اسلامی تعلیم ہے۔ میں یہ باتیں انشاءاللہ ثابت کروں گا۔"

اقبال کے خیال میں وجودی فلسفہ عجمی تصوف کی بنیاد ہے اور یہ شعرائے عجم میں عام ہے۔ صرف خواجہ حافظ کا کلام اس سے بھرپور نہیں۔ سراج الدین پال کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعراء ہیں جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفے کی طرف مائل تھے۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلان طبع موجود تھا اور اگرچہ اسلام نے کچھ عرصہ تک اس کا نشوونما نہ ہونے دیا تاہم وقت پاکر ایرانی آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہوا۔ یا بالفاظ دیگر مسلمانوں میں ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بناء وحدت الوجود تھی۔ اس نکتہ خیال سے نہ صرف حافظ بلکہ تمام شعرائے ایران پر نگاہ ڈالنی چاہئے۔"

اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لئے ضروری تصور کرتا ہے تو شعرائے عجم اس شعار اسلام میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ہیں۔

غازی زپے شہادت اندر تگ و پوست
غافل کہ شہید عشق فاضل تر ازوست
در روز قیامت این باو کے ماند
این کشتۂ دشمن است و آن کشتۂ دوست

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور قابل تعریف۔ مگر انصاف سے دیکھئے تو جہاد اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دل فریب اور خوبصورت طریق اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اس نے زہر دیا ہے اس کو احساس بھی اس امر کا نہیں ہو سکتا کہ مجھے کسی نے زہر دیا ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے مجھے آب حیات پلا دیا گیا ہے۔ آہ مسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں۔"

اقبال نے کئی بار مختلف خطوط میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ تصوف کے متعلق وہ خود لکھ رہے ہیں اور اس میں عجمی تصوف اور اس کے مضر اثرات کو اسلامی تصوف سے ممیز کرکے اسلامی تصوف کو ان خواب آور عقائد و نظریات سے پاک کیا جائے گا۔"

سید فصیح اللہ کاظمی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں" تصوف کے متعلق میں خود لکھ رہا ہوں۔ میرے نزدیک حافظ کی شاعری نے بالخصوص اور عجمی شاعری نے بالعموم مسلمانوں کی سیرت اور عام زندگی میں نہایت مذموم اثر کیا ہے۔ اس واسطے میں نے ان کے خلاف لکھا ہے۔"

سراج الدین پال کے نام خط مکتوب ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء میں عجمی تصوف اور شاعری کے ارتقاء پر ایک دلچسپ تجزیہ پیش کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں "حیرت کی بات ہے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ جس قوم میں طاقت اور توانائی مفقود ہو جائے جیسا کہ تاتاری یورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی تھی پھر اس قوم کا نقطۂ نگاہ بدل جایا کرتا ہے۔ ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شے ہو جاتی ہے اور ترک دنیا موجب تسکین۔"

الغرض اقبال تصوف وجودی کو غیر اسلامی عجمی ذہنیت کی پیداوار اور حیات انسانی کے لئے مضر سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف بغاوت کو اپنا فرض منصبی اور نصب العین سمجھتے ہیں۔ تصوف وجودی کے غیر اسلامی ہونے کے متعلق آپ نے واضح الفاظ میں کہا کہ۔

"میرے نزدیک تصوف وجودی اسلام کا کوئی جزو

نہیں بلکہ مذہب اسلام کے مخالف ہے اور یہ تعلیم غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں میں آئی ہے۔"

عجمی تصوف یا تصوف وجودی کے متعلق اقبال کے خیالات بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں۔ ان میں اقبال نے تصوف پر بیرونی اثرات خصوصاً عجمی خیالات اور شاعری کے ذریعے اس میں داخل ہونے والے نظریات اور ان کے عواقب پر روشنی ڈالی ہے۔ ساتھ ہی ان وجوہات کی بھی نشاندہی کر دی ہے جن کی بناء پر مسلمانوں میں عجمی اور رہبانی نظریات تصوف کے لبادے میں داخل ہوئے۔ ان نظریات میں سے نظریہ وحدت الوجود سب سے اہم ہے جو مسلم صوفیوں میں بہت مقبول رہا۔ اقبال کے ہاں یہ نظریہ مذہبی نہیں بلکہ فلسفیانہ ہے اور اس کو دینی مسئلہ بنانے میں غیر مسلم تعلیمات کا اثر ہے۔ اقبال کے نزدیک اس نظریہ کو مذہبی عقیدے یا نظریہ کے طور پر تسلیم کرنے سے اسلامی معاشرے پر نہایت مضر اثرات ثبت ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ نظریہ فنائے ذات کا درس دیتی ہے اور فنائے ذات عین فرار عن الحیات کا راستہ ہموار کرتی ہے۔ چونکہ یہ نتائج اقبال کے فلسفہ خودی کے لئے نہایت ہی نقصان دہ ہیں لہذا اس کی مخالفت فکر اقبال کا منطقی نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مسلمانوں میں وحدت الوجودی عقیدے اور اقبال کے اس سے صرف نظر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کے تصوف پر زیادہ تر وحدت الوجود کا مسئلہ چھایا ہوا ہے اور اس نے بادہ تصوف میں نشہ بھی پیدا کیا ہے۔ اقبال نے عشق اور خودی کے نظریات اور کیفیات کو بیان کرتے ہوئے حتی الوسع اس سے گریز کیا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ وحدت الوجود دینی مسئلہ نہیں بلکہ فلسفیانہ مسئلہ ہے۔"

میرے خیال میں خلیفہ صاحب کا یہ فرمانا کہ خودی اور عشق کے نظریات کو بیان کرتے ہوئے اقبال نے نظریہ وحدت الوجود سے حتی الوسع گریز کیا ہے چنداں مستند نہیں۔ کیونکہ اقبال نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ جیسا کہ اوراق گزشتہ میں ان کی جھلک دیکھ چکے ہیں۔"

نظریہ وحدت الوجود کے بارے میں ایک اہم ترین نکتہ جسے اکثر مبصرین یا ناقدین اقبال نظر انداز کر چکے ہیں وہ اقبال کے فکری ارتقاء کو مدنظر نہ رکھنا ہے۔ فکر اقبال کے پہلے دور میں ان کی شاعری سے وحدت الوجودی نظریات و خیالات خوب جھلکتے ہیں۔ تاہم بعد میں یہ نظریات مخالف سمت میں سفر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن یہ اس وقت کی بات تھی کہ جب اقبال مسلم امہ کے زوال کا تعین کرتے ہوئے اس نتیجے تک نہیں پہنچا تھا کہ اس تمام جمود و سکون اور بے عملی کی وجہ عجمی اور وجودی تصوف ہے۔ جب اس بات کا علم ہوا تو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اسلام سے اس مسلک گوسفندی کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا جس کا سالار افلاطون یونانی تھا اور جو عمل کی بجائے محض نظریات پر یقین رکھتا تھا۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اقبال کے اس کردار کے متعلق لکھتے ہیں۔

"اقبال نے جس غیر اسلامی تصوف کی بیخ کنی کو اپنا فرض قرار دیا اس کی تعلیم روایتی تصوف میں جا بجا پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے انسان کی خودی بے حقیقت ہو جاتی ہے اور اختیار مطلقاً سوخت ہو جاتا ہے۔ اس تصوف میں عشق کوئی فعال کیفیت نہیں رہتا وہ سراسر ایک انفعالی تاثر رہ جاتا ہے۔ جس کا مقصد کمال عجز سے اپنی کیفیت کو سوخت کر دینا ہے۔"

الغرض فکر اقبال کی روشنی میں تصوف کے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں: (باقی صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

تاریخ مذہب

محمدؐ و مسیحؑ

ڈاکٹر غازی محمد نعیم

تعارف:

معروف عیسائی مؤرخ مائیکل ایچ ہارٹ کی شہرۂ آفاق کتاب THE 100 تمام اہلِ دانش میں یکساں مقبول ہے۔ یہ ایک ایسی تصنیف ہے جس میں تعصب کی بجائے حق گوئی اور اخلاقی جرأت سے کام لیا گیا ہے۔ کتاب میں سو ایسے عظیم انسانوں کی حیات اور کارناموں کا ذکر ہے جنہوں نے انسانی تاریخ پر سب سے زیادہ دیرپا نقوش چھوڑے اور انسانوں کی معاشی، معاشرتی، سیاسی، ادبی، اخلاقی، اور مذہبی زندگی کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ مصنف نے حق گوئی سے کام لیتے ہوئے خاتم الانبیاء حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاریخ انسانیت کی عظیم ترین شخصیت قرار دیا ہے اور بوجوہ آپ کی حیات و تعلیمات کے عظیم ترین اثرات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فوقیت دی ہے۔ جیسا کہ قارئین صفحاتِ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ترجمہ ہذا میں ہم صرف محمدؐ یا مسیحؑ لکھنے کے بجائے تعظیمی کلمات کا اضافہ بھی کریں گے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انسانی تاریخ کی بااثر ترین شخصیتوں کی فہرست میں پہلا مقام دینا جہاں کچھ لوگوں کے لئے باعثِ حیرت ہوگا وہاں کچھ لوگوں کے ذہنوں میں کئی سوالات کو بھی جنم دے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ انسانی تاریخ کی واحد شخصیت ہیں جو دین و دنیا دونوں کے اعتبار سے تاریخ انسانیت میں کامیاب ترین اور عظیم ترین ہیں۔ پیدائشی طور پر شوکت و سطوت کے حامل نہ ہونے کے باوجود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے عظیم ترین مذہب کی بنیاد رکھی اور انتہائی بااثر سیاسی رہنما بھی ثابت ہوئے۔ آج ان کی وفات کو تیرہ سو سال گزر جانے کے باوجود ان کا اثر و نفوذ روزِ اول کی طرح طاقتور اور ہمہ گیر ہے۔

میری کتاب میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کی اکثریت تہذیب و تمدن کے مراکز میں اور اہم سیاسی اہمیت رکھنے والی قوموں میں پیدا ہوئی۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۵۷۰ء میں شمالی عرب کے شہر مکہ میں پیدا ہوئے جو دنیا کا ایک پسماندہ خطہ تھا اور تجارت، فنون اور علوم کے مراکز سے دور واقع تھا۔ چھ سال کی عمر میں آپ کی والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ کی پرورش بھی امیرانہ ماحول میں نہ ہوئی۔ اسلامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اُمّی تھے۔ پچیس سال کی عمر میں آپ کی شادی ایک مالدار بیوہ (حضرت خدیجہؓ) سے ہوئی تو آپ کے حالات بہتر ہوئے۔ پھر بھی چالیس سال کی عمر کو پہنچنے تک بظاہر آپ میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آتی تھی۔

اس دور میں اکثر عرب کافر تھے جو بہت سے خداؤں پر یقین رکھتے تھے۔ جبکہ مکہ میں ایک قلیل تعداد یہودیوں اور نصرانیوں کی تھی جو خدائے واحد اور قادر مطلق کو مانتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی خدائے واحد کو مانتے تھے جو سارے عالم کا مالک ہے۔ جب آپ چالیس برس کے ہوئے تو آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور اللہ نے آپ کو اپنے دین حق کی تبلیغ کے لئے منتخب فرمایا۔

تین سال تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کو دین اسلام کی تبلیغ کی۔ پھر ۶۱۳ میں آپ نے عام تبلیغ شروع کی۔ جب آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تو کفار مکہ نے آپ کی تبلیغ کو اپنے عقائد کے لئے خطرہ سمجھنا شروع کیا۔ ۶۲۲ میں حضرت محمدؐ نے مدینہ ہجرت کی جہاں آپ کو سیاسی اثر و رسوخ بھی حاصل ہوا۔

ہجرت کا واقعہ پیغمبرؐ کی زندگی کا اہم موڑ تھا۔ مکہ میں آپؐ کے پیروکاروں کی تعداد قلیل تھی مگر مدینہ میں آپؐ پر ایمان لانے والوں کی کثیر تعداد تھی۔ آنے والے برسوں میں جہاں آپ کے ماننے والوں کی تعداد اور بڑھ گئی وہاں مکہ اور مدینہ کے درمیان کئی لڑائیاں بھی لڑی گئیں۔ ان لڑائیوں کا خاتمہ اس صورت میں ہوا کہ ۶۳۰ء میں آپؐ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ آپؐ کی زندگی کے باقی ماندہ ڈھائی سالوں میں عرب قبائل نے بڑی تیزی کے ساتھ نئے دین کو قبول کیا۔ ۶۳۲ء میں انتقال کے وقت آپؐ پوری سرزمین عرب کے حکمران بھی تھے۔

عرب کے بدو قبائل خطرناک جنگجو تو مشہور تھے مگر ان کی تعداد قلیل تھی اور نااتفاقی اور قبائلی جھگڑوں نے انہیں کمزور بنا رکھا تھا اور دیگر بڑی سلطنتوں کی عظیم تر افواج کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ لیکن حضرت محمدؐ کی تعلیم نے انہیں اس طرح متحد کیا اور ایک خدائے واحد پر ایمان نے ان کے اندر ایسی روح پھونکی کہ ان عربوں نے تاریخ انسانی کی سب سے حیرت انگیز فتوحات کے سلسلے کا آغاز کیا۔ عرب کے شمال مشرق میں فارس تو کی ساسانی سلطنت تھی اور شمال مغرب میں بازنطینیوں کی رومی سلطنت تھی جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ تعداد کے اعتبار سے عرب اپنے دشمنوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے مگر میدان جنگ میں عرب کے اہل ایمان نے عراق شام اور فلسطین کو فتح کیا۔ ۶۴۲ میں مصر بازنطینیوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور ۶۳۷ میں قادسیہ اور نہاوند کی جنگوں میں ایرانی سلطنت پر کاری ضرب لگائی جا چکی تھی۔ عربوں کی فتوحات کا سلسلہ اسی پر ختم نہ ہوا بلکہ ۷۱۱ میں عرب فوجوں نے پورے شمالی افریقہ پر تسلط حاصل کرنے کے بعد بحر اوقیانوس کو عبور کر کے شمال کا رخ کیا اور جبل الطارق کو عبور کر کے سپانیہ کی وزگوتھک سلطنت کو بھی زیر نگین بنا لیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان پورے عیسائی یورپ پر چھا جائیں گے مگر ۷۳۲ میں طور کی لڑائی میں اس اسلامی فوج کو جو فرانس کے وسط تک پہنچ گئی تھی شکست کا سامنا ہوا۔ بہر حال اسی صدی کے دوران پیغمبر علیہ السلام کے ارشادات سے مستفید ہونے والے بدوی قبائل نے ہندوستان کی سرحد سے لے کر بحر اوقیانوس تک انسانی تاریخ کی وسیع ترین سلطنت کی بنیاد رکھ دی اور جہاں جہاں فتوحات ہوئیں وہاں کثیر تعداد میں لوگوں نے نئے دین کو بھی قبول کر لیا۔

مسلمانوں کی تمام فتوحات مستقل ثابت نہ ہوئیں چنانچہ دین اسلام کے ساتھ وابستہ رہنے کے باوجود اہل ایران نے عربوں سے آزادی حاصل کی اور سپانیہ سات سو سال تک

مسلمانوں کے زیر تسلط رہنے کے بعد آخر ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ تاہم مصر اور عراق جو انسانی تہذیب کے دو اہم ترین گہوارے ہیں عرب ہی رہے اور اسی طرح افریقہ کی دیگر اسلامی حکومتیں بھی عرب ہی کہلاتی ہیں۔ دین اسلام کی ترویج کا سلسلہ مسلسل جاری رہا اور ابتدائی اسلامی فتوحات سے کہیں آگے تک اس کا دائرہ وسیع ہوا۔ فی زمانہ افریقہ اور وسط ایشیا میں کروڑوں لوگ اہل اسلام ہیں جبکہ پاکستان، شمالی ہندوستان اور انڈونیشیا میں اس سے بھی زیادہ تعداد میں لوگ اسلام کے ماننے والے ہیں۔ انڈونیشیا میں تو دین کا رشتہ ہی ذریعہ اتحاد ہے تاہم برصغیر میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں چپقلش اہل خطہ کے اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

اس مختصر تذکرے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ حضرت محمدؐ کی حیات و تعلیمات کے تاریخ انسانی پر مرتب ہونے والے اثرات کا کیسے تعین کیا جائے؟ تمام مذاہب کی طرح اسلام بھی اپنے ماننے والوں کی زندگیوں پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس کتاب میں تمام بڑے مذاہب عالم کے بانیوں کو بااثر تاریخی شخصیات میں شمار کیا ہے۔ چونکہ دنیا میں عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے تقریباً دگنی ہے اس لئے بظاہر یہ عجیب معلوم ہوگا کہ میں نے حضرت محمدؐ کو حضرت عیسیٰؑ سے عظیم تر مقام دیا ہے لیکن مجھے یہ فیصلہ دو اہم وجوہات کی بنا پر کرنا پڑا۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضرت محمدؐ نے دین اسلام کی ترویج میں اس سے کہیں زیادہ کردار ادا کیا جو حضرت عیسیٰؑ نے عیسائیت کی ترویج میں ادا کیا اور اگرچہ حضرت عیسیٰؑ نے ہی عیسائیت کی اخلاقی تعلیمات کی بنیاد رکھی لیکن عیسائی مذہب کی ترویج اور تبلیغ کا بنیادی کارنامہ سینٹ پال نے انجام دیا جو عہد نامہ جدید (انجیل) کے ایک بڑے حصہ کا مصنف بھی ہے۔ دوسری طرف حضرت محمدؐ نے نہ صرف اسلام کے بنیادی عقائد اور اخلاقی اصولوں کی بنیاد رکھی بلکہ دین اسلام کی تبلیغ میں بھی آپؐ نے خود کلیدی کردار ادا کیا نیز قرآن جو اللہ نے آپؐ کے اوپر نازل کیا سارے کا سارا خود آپؐ ہی کی طرف منسوب ہے۔ قرآن کی آیات کو آپ کی اپنی حیات میں نہایت عقیدت اور اہتمام سے نقل کیا گیا اور آپ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی مستند انداز میں اسے جمع کیا گیا۔ چنانچہ قرآن نہ صرف حضرت محمدؐ کی تعلیمات کی صحیح نمائندگی کرتا ہے بلکہ اس کتاب کی آیات و الفاظ بھی من و عن اسی صورت میں پہنچے ہیں جس شکل میں یہ آپؐ پر نازل ہوئے۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات اس صورت میں یکجا نہ ہو سکیں۔ چونکہ قرآن مسلمانوں کے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنا بائبل عیسائیوں کے لئے اہم ہے اس لئے قرآن کے حوالے سے پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات کے مرتب ہونے والے اثرات عظیم حیثیت کے حامل ہیں۔ بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ دین اسلام پر حضرت محمدؐ کی سیرت و تعلیمات کا اثر عیسائیت پر حضرت عیسیٰؑ اور سینٹ پال دونوں کے مجموعی اثر سے زیادہ ہے۔ چنانچہ صرف مذہبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بھی حضرت محمدؐ کا اثر انسانی تاریخ پر حضرت عیسیٰؑ سے کم نہیں۔

لیکن اہم بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے برعکس حضرت محمدؐ دنیوی اعتبار سے بھی ایک عظیم رہنما تھے۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ عربوں کی تمام فتوحات کے پیچھے آپ کی سیرت کا عمل دخل تھا تو آپؐ تاریخ انسانی کے عظیم ترین سیاسی رہنما کے طور پر بھی سامنے آتے ہیں۔

تاریخ انسانی کے بعض اہم واقعات کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ مخصوص سیاسی رہنماؤں کی رہنمائی کے بغیر بھی انہیں بہر حال وقوع پذیر ہونا تھا۔ مثال کے طور پر سائمن بولیور

بھی پیدا نہ بھی ہوتا تو جنوبی امریکہ کی کالونیوں نے سپین سے آزادی حاصل کرنی تھی لیکن عربوں کی فتوحات کے بارے میں یہ بات نہیں کی جاسکتی کیونکہ تاریخ میں فتوحات کی ایسی مثال پہلے کبھی نہیں ملتی اور حضرت محمدؐ کی شخصیت کے بغیر عربوں کے لئے یہ فتوحات ناممکن تھیں۔ تاریخ میں اتنی وسیع فتوحات کی واحد مثال چنگیز خان کی فتوحات ہیں لیکن یہ فتوحات نہایت عارضی ثابت ہوئیں اور آج منگول اتنے سے علاقے میں محدود ہیں جہاں وہ چنگیز خان کے دور سے پہلے تھے۔ عربوں کی فتوحات بالکل مختلف نوعیت کی تھیں آج عراق سے مراکش تک عرب اقوام کی ایک ایسی زنجیر پھیلی ہوئی ہے جو نہ صرف دین اسلام کی وجہ سے متحد ہیں بلکہ عربی زبان اور ثقافت کے رشتے سے بھی ایک قوم ہیں۔ اسلام میں قرآن مجید کی مرکزی حیثیت اور اس کے عربی زبان میں ہونے کا نتیجہ ہے کہ عربی زبان آنے والے تیرہ سو سالوں میں بہت سی ناقابل فہم بولیوں میں بٹنے سے اب تک بچی ..ئی ہے۔ چند ایک اختلافات کی موجودگی کے باوجود آج بھی ان عرب قوموں میں اتحاد کا ایک بنیادی عنصر موجود ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان ممالک ہونے کے باوجود ایران اور انڈونیشیا نے ۱۹۷۳ - ۱۹۷۴ کے تیل کے مقاطعے میں حصہ نہیں لیا بلکہ صرف اور صرف عرب حکومتیں ہی اس میں شامل ہوئیں۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ ساتویں صدی کے عرب فتوحات کے تاریخ انسانی پر مرتب ہونے والے اثرات آج بھی جاری ہیں اور یہ دین و دنیا دونوں میں حضرت محمدؐ کی سیرت و تعلیمات کے باعث مرتب ہونے والے وہ عظیم اثرات ہیں جن کی بنا پر میں انھیں تاریخ انسانی کی باا ثر ترین شخصیت کا درجہ دیتا ہوں۔

(جاری ہے)

بقیہ اقبال اور تصوف

۱۔ روایتی تصوف میں دو طرح کے رجحانات رائج تھے ایک حقیقی اسلامی اور دوسرا عجمی تصوف یا تصوف وجودی۔

۲۔ اسلامی تصوف خلوص فی العمل کا نام ہے۔ یہ انسان میں قوت پیدا کرتا ہے اور اس کے جسم و روح دونوں کو توانا کر کے انسان کو تسخیر کائنات کے قابل بناتا ہے تمام جائز نعمتوں سے متمتع ہونے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ عرفان ذات اور معرفت الٰہی کی تعلیم ہے اور مذہبی طور پر شریعت کو قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام ہے۔

۳۔ مسلمانوں میں عجمی افکار خصوصاً فلسفے اور شاعری کے ذریعے بہت زیادہ سرایت کر چکے ہیں جس کے خلاف جدوجہد ضروری ہے کیونکہ عجمی تصوف کی تعلیمات بے عملی، سستی و کاہلی، فنائے ذات، عزلت، آفرین کمزوری، ترک دنیا اور دیگر رہبانی رجحانات کا پیش خیمہ ہیں جو حیات انسانی کے لئے مضر ہیں۔ عجمی تصوف کا بنیادی نظریہ اور وجہ نظر یہ وحدۃ الوجود کو مذہبی مسئلہ سمجھتا ہے جبکہ یہ ایک فلسفیانہ مسئلہ ہے مذہبی عقیدہ نہیں۔

۴۔ عظیم مسلم صوفیاء نے رہبانی اثرات کے خلاف جدوجہد کی اور اسلامی تصوف کی روح کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔

۵۔ اقبال کا فلسفہ خودی جسے مثنوی اسرار خودی میں پیش کیا گیا مسلمان صوفیاء اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ تھا۔

۵۔ اقبال اسلامی تصوف اور صوفیاء کے عقیدت مند لیکن عجمی تصوف کے شدید مخالف تھے اور ان بیرونی اثرات کا مقابلہ کرنا اپنا فرض اور اسلامی تصوف پر احسان سمجھتے تھے۔ ☆☆

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ رسم خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

اقبال

ادبِ تصوف

نوائے رومیؒ

محمد یونس یحییٰ وفا

حدیث مبارک " من یجلس مع الله فلیجلس مع اهل التصوف " کا بیان

﴿جو اللہ کے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ کرے وہ اہلِ تصوف کے ساتھ بیٹھے﴾

سیل چوں آمد بدریا بحر گشت　　سیل دریا سے ملا احسن ہوا
دانہ چوں آمد بمزرع کشت گشت　　دانہ کھیتی میں گرا خرمن ہوا

چوں تعلق یافت ناں با بوالبشر　　ناں کو آدم سے جب نسبت ہوئی
ناں مردہ زندہ گشت و باخبر　　مٹ گئی پژمردگی بھی زندگی

موم و ہیزم چوں فدائے نار شد　　موم و ہیزم آگ پہ ہو کر فدا
ذاتِ ظلمانی او انوار شد　　بے ضیا تھے اب ہیں سر تا پا ضیا

سنگِ سرمہ چونکہ شد در دیدہ گاں　　سرمہ بن کے سنگ آنکھوں میں سجا
سنگِ بجائی شد انجا دیدہ باں　　پاسباں پتھر بنا ہے نور کا

اے خوشا آں مرد کز خود رستہ شد　　اے خوشا جس نے کیا خود کو فنا
در وجود زندۂ پیوستہ شد　　اور اہلِ دل سے وابستہ ہوا

وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست   حیف جو مردہ دلوں کا ہو گیا
مردہ گشت و زندگی از وے بجست   مٹ گیا دنیا و دیں سب کھو دیا

چوں تو در قرآن حق بگریختی   تو نے جب قرآن کو اپنا لیا
باروان انبیاء آمیختی   انبیاء کی روح کو بھی پا لیا

ہست قرآں حالہائے انبیاء   پُر ہے قرآن انبیاء کے حال سے
ماہیان بحر پاکِ کبریا   ہیں سبھی پیراک بحر پاک کے

ور بخوانی ونۂ قرآن پذیر   وردِ قرآں بے عمل بھی سودمند
انبیاء و اولیاء را دیدہ گیر   دید جیسے انبیاء کی سودمند

خویش را رنجور ساز و زار زار   زندگی کو رنج و غم کی دو نوید
تا ترا بیروں کند از اشتہار   عارضی ہے یہ نمودِ زر خرید

کاشتہارِ خلق بندِ محکم است   ظاہری شہرت ہے تیری بندِ پا
در رہ ایں از بند آہن کے کم است   آہنی زنجیر جیسے بندِ راہ

حدیث شریف "رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الكبر" کا بیان

﴿ہم بڑے جہاد سے چھوٹے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں﴾

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں   ظاہری دشمن کو مارا ہے مگر
ماند خصمے زاں بتر در اندروں   باطنی دشمن تو ہے اس سے بتر

کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست   کیا کریں گے عقل و ہوش اس کو تمام
شیر باطن سخرهٔ خرگوش نیست   شیر کب خرگوش سے ہوتا ہے رام

دوزخ است ایں نفس و دوزخ اژدہاست   نفس دوزخ اور دوزخ اژدہا
کو بدریا ہا نگردد کم و کاست   ہو نہ دریاؤں کے پانی سے فنا

سنگہا و کافرانِ سنگدل   سنگ بھی اور سنگدل کفار بھی
اندر آیند اندر و خوار و خجل   اس میں جائیں گے بصد شرمندگی

ہم نگردد ساکن از چندیں غذا   پھر بھی ناکافی رہے گی یہ غذا
تا ز حق آید مراورا ایں ندا   حق سے آئے گی جہنم کو ندا

" سیر گشتی سیر " گوید " نے ہنوز "   " بھر گیا ہے پیٹ " بولے گا " نہیں "
" اینت آتش اینت تابش اینت سوز "   " آگ ہے باقی تپش بھی ہے یہیں "

عالمے را لقمہ کرد و در کشید   کھا چکی ہے وہ جہاں بھر کو ولے
معدہ اش نعرہ زناں " ہل من مزید "   نعرہ زن ہے " کیا ابھی کچھ اور ہے "

حق قدم بروے نہد از لامکاں   حق قدم رکھے گا اس پر عرش سے
آنگہ او ساکن شود از کن فکاں   سرد ہو گی " کن فکاں " کے حکم سے

چونکہ جزوِ دوزخ است ایں نفسِ ما   جزوِ دوزخ ہے ہمارا نفس بھی
طبع کل دارد ہمیشہ جزو ہا   مثلِ کل ہوتی ہے خصلت جزو کی

ایں قدم حق را بود کو را کشد   لطفِ حق سے ہی بجھے گی اس کی پیاس

غیر حق کو کہ کمان او شد   غیر حق اس کی کماں سے ناشناس

در کماں نہند الا تیر راست   تیر رکھتے ہیں کماں میں بے خم
ایں کماں را باژ گو کژ تیر ہاست   اس کماں کے تیر ہیں پر پیچ و خم

راست شو چوں تیر وارہ از کماں   ہو کے بے خم تو کماں سے چھوٹ جا
کز کماں ہر راست بجہد بے گماں   تیر بے خم ہو گا منزل آشنا

چونکہ واگشتم ز پیکارِ بروں   کر چکا ہوں ختم جنگِ ظاہری
روئے آوردم بہ پیکارِ دروں   اب مجھے کرنی ہے جنگِ باطنی

قد رجعنا من جہاد الاصغریم   ختم کر آیا ہوں میں اصغر جہاد
با نبی اندر جہادِ اکبریم   اب شروع کرنے کو ہوں اکبر جہاد

قوتے خواہم ز حق دریا شگاف   ہو مجھے دریا شکن قوت عطا
تا بسوزن برکنم ایں کوہِ کاف   سینہ چیروں مو سے کوہ قاف کا

سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند   صف شکن شیروں کا کیا کہنا ولے
شیر آنست آں کہ خود را بشکند   شیر تو وہ ہے جو خود کو مات دے

تا شود شیر خدا از عون او   فیضِ حق سے بن کے وہ شیر خدا
وارہد از نفس و از فرعون او   سر جھکائے نفس کے فرعون کا

جہد و توکّل

پائے داری چوں کنی خود را تو لنگ   پاؤں رکھتے ہو تو پھر معذور کیوں
دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ   دست و بازو کو رکھو مستور کیوں

خواجہ چوں بیلے بدستِ بندہ داد   کی ترے ہاتھوں کو جب قوت عطا
بے زباں معلوم شد او را مراد   بن کہے واضح تھا اس کا مدعا

گر توکل می کنی در کار کن   کام کرنے میں توکل ہے بجا
کار کن پس تکیہ بر جبار کن   کارگر ہو گا خدا کا آسرا

گفت آرے ار توکل رہبر ست   گر توکل ہے تمہارا رہنما
ایں سبب ہم سنت پیغمبر ست   کسب محنت سنت شاہِ ہدیٰ

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو   اہل محنت ہیں پسند اللہ کو
از توکل در سبب کاہل مشو   ترکِ محنت کو توکل مت کہو

در توکل کسب و جہد اولیٰ تر است   گر توکل میں لیا محنت سے کام
تا حبیبِ حق شوی ایں بہتر است   بارگاہِ حق میں ہو گے خوش مقام

سعیِ ابرار و جہادِ مؤمناں   ہے نکوکاروں کی محنت کا ثمر

تا بدیں ساعت ز آغاز جہاں روزِ اول سے ابھی تک جلوہ گر

حق تعالیٰ جہدِ شاں را راست لطفِ حق سے ان کی زحمت کوشیاں
آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد شاد کام و کامیاب و کامراں

سعی شکرِ نعمتِ قدرت بود کام کچھ شکرِ نعمت ہے یہی
جبر تو انکارِ آں نعمت بود جبر کیا ہے شکر نعمت کی نفی

شکر نعمت نعمت افزوں کند نعمتیں ہوں شکرِ نعمت سے سوا
کفر نعمت از کفت بیروں کند نعمتیں ہوں کفرِ نعمت سے فنا

نذرانۂ عقیدت

از اقبال

پیرِ رومی مُرشدِ روشن ضمیر کاروانِ عشق و مستی را امیر

منزلش برتر ز ماہ و آفتاب خیمہ را از کہکشاں سازد طناب

نورِ قرآں درمیانِ سینہ اش جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش

از نے آں نے نواز پاک زاد باز شورے در نہادِ من فتاد

حکایاتِ وفا

حاجی محمد امین سے انٹرویو

ڈاکٹر ایم اے شاہد، و جی ایچ معروفی

اقبال نے فرمایا تھا:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

جب کسی قوم کے عروج و زوال کی تاریخ لکھی جاتی ہے تو اس عہد کے سلاطین اور سپہ سالاروں کے قصے تو اہتمام سے لکھے جاتے ہیں مگر ان گمنام سپاہیوں اور مجاہدوں کا تذکرہ نہیں کیا جاتا جن کی انفرادی کاوشوں اور قربانیوں کا اس عروج و زوال میں کلیدی کردار ہوتا ہے۔ بہت سے گمنام سماجی کارکن، دینی خدمت گار اور انسان دوست لوگوں کا تذکرہ تک نہیں ہو پاتا اور آنے والی نسلوں کو علم نہیں ہو پاتا کہ جو آسائشیں اور سہولتیں ان کو حاصل ہیں ان میں کن کن گمنام مجاہدوں کا خون جگر شامل ہیں۔ ملت نوربخشیہ میں بھی ایسے مخلصین کی کمی نہیں مگر افسوس کہ اکثر لوگوں کے تذکرے طاق نسیان کی زینت بن گئے ہیں۔ چنانچہ نوائے صوفیہ نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ بڑے بڑے علمائے دین اور دانشوروں کے ساتھ ساتھ ان بے لوث کارکنوں کے تذکرے بھی شائع کئے جائیں۔

اسلام آباد میں نوربخشی کمیونٹی کے فلاح و بہبود کے کام میں حاجی عبدالحکیم مرحوم اور حاجی فاچو محمد امین صاحب کا کردار خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ فاچو محمد امین صاحب جو انجمن محمدیہ بلتستانیہ صوفیہ نوربخشیہ اسلام آباد کے جنرل سکریٹری ہیں نہ صرف جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ کے انتظام و انصرام اور نوربخشی بھائیوں کی دینی تعلیم کے بندوبست کے ذمہ دار ہیں بلکہ ان کی سماجی خدمات کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہے۔ آپ علاقہ خپلو کے فاچو خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ماضی قریب میں حج بیت اللہ اور مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی فیضیاب ہو چکے ہیں۔ نوائے صوفیہ کے پینل نے حاجی صاحب سے قارئین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل انٹرویو کیا۔

نوائے صوفیہ: آپ اپنے آبائی گاؤں سے کب اسلام آباد آئے اس وقت کے معاشرتی اور مذہبی حالات کیسے تھے؟

حاجی صاحب: یکم مئی ۱۹۵۸ء کی صبح گھر سے سکول کے لئے نکلا لیکن سکول جانے کی بجائے بستہ ایک ساتھی کے حوالے کر کے سیدھا سکردو پہنچا جہاں ۷ روز قیام کے بعد جہاز میں بیٹھ کر راولپنڈی آیا اس وقت جہاز کا کرایہ ۳۵ روپے تھا۔ راولپنڈی میں ایک سکول میں داخلہ لیا مگر مجبوریوں کے باعث سکول چھوڑ کر مولانا غلام اللہ کے مدرسہ میں داخلہ لیا لیکن بوجوہ سلسلہ تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ ۱۹۶۰ء میں ریڈیو پاکستان کے بلتی پروگرام سے منسلک ہوا یہ شغل آج بھی جاری ہے۔ ان دنوں ہم نے راولپنڈی میں مسجد کی تعمیر کے لئے کوششیں شروع کر دیں اور کارکنوں کو اپنے اپنے علاقے سے چندہ جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اللہ کے فضل سے سب سے زیادہ چندہ میں

نے جمع کیا۔ مجھے شروع سے مذہبی کاموں سے دلچسپی تھی اور لوگوں کی خدمت سے سکون قلب میسر آتا تھا یہ جذبہ اللہ کے فضل سے آج بھی موجود ہے۔

فیصلہ دیا اور یہ کوارٹر آج تک مذہبی تقریبات کے علاوہ امام مسجد کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ نوربخشی آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ یہ کوارٹر جمعہ و جماعت کے لئے ناکافی



حاجی محمد امین صاحب دیگر زائرین کے ہمراہ کربلا معلیٰ میں روضہ مبارک حضرت عباسؑ کے سامنے کھڑے ہیں۔

نوائے صوفیہ: آپ انجمن محمدیہ بلتستانیہ کے بانیوں میں سے ہیں اور جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ اسلام آباد کی تعمیر میں آپ کا کلیدی کردار ہے۔ اس بارے میں کچھ بتایئے۔

حاجی صاحب: مرحوم حاجی عبدالحکیم صاحب ۱۹۶۳ء سے پہلے سی ڈی اے میں ملازم تھے انہی کے توسط سے میں بھی اس محکمہ میں بھرتی ہوا۔ اس وقت بلتیوں کی تعداد نہایت کم تھی اور وہ حسین خان حسین بلتستان کی سرکاری رہائش گاہ میں اکٹھے رہتے تھے۔ نوربخشیوں کو اس کوارٹر میں جمعہ و جماعت اور دیگر مذہبی تقریبات منعقد کرنے کی سہولت تھی۔ اسی دوران ہم نے انجمن محمدیہ بلتستانیہ کی بنیاد ڈالی اور حاجی عبدالحکیم صاحب کو صدر منتخب کیا۔ انہی دنوں پاکستان کا صدر مقام کراچی سے اسلام آباد منتقل ہوا۔ کچھ عرصہ بعد مذکورہ کوارٹر کے الاٹی انتقال کر گئے جس کے بعد تنازعہ پیدا ہوا اور ہمارے بعض کارکن جیل تک بھی پہنچے مگر اللہ کے فضل سے عدالت نے ہمارے حق میں

ثابت ہونے لگا چنانچہ ہم نے ۱۹۷۱ء میں مسجد کے لئے پلاٹ کی درخواست کی اور سی ڈی اے نے ۱۹۷۵ء میں جی سیون فور میں جگہ الاٹ کر دی۔ ۶ جون ۱۹۷۵ء کو اس وقت کے وزیر مذہبی امور مولانا کوثر نیازی کو مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مدعو کیا گیا جس کی تشہیر پورے ملک میں ہوئی۔ بعد ازاں ہم چندہ مہم پر بلتستان گئے مگر افسوس کہ چند بہی خواہوں نے بے بنیاد پروپیگنڈا کر کے ہماری راہ میں مشکلات حائل کیں تاہم مسجد کی چار دیواری ہو گئی پھر ہم نے سی ڈی اے کے چیئرمین علی نواز گردیزی صاحب کو مسجد پر دعوت دی انہوں نے مسجد کی شایان شان تعمیر کے لئے گرانٹ کا اعلان کیا اور یوں میرا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔

نوائے صوفیہ: سنا ہے کہ ایک فرقہ کے لوگوں نے مسجد پر بھی حق ملکیت جتایا تھا؟

حاجی صاحب: جی ہاں۔ کچھ 'دوستوں' نے مذکورہ

کوارٹر کو چھیننے کی کوشش میں ناکامی کے بعد مسجد میں حصہ دار بننے کے لئے بھی تگ ودو کی اور بدمزگی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن ایک تو الائمنٹ مسلک صوفیہ نوربخشیہ کے نام پر ہوئی تھی دوسرے جناب شیخ محسن صاحب ناظم اعلیٰ جامع اہل بیت نے کمال تدبر سے اس قضیے کو بڑھنے سے روکا اور ذمہ دار افراد کو سختی



۱۹۷۳ء میں انجمن محمدیہ بلتستان/صوفیہ نوربخشیہ اسلام آباد کے نوجوان اراکین کے ساتھ لی گئی ایک یادگار تصویر

سے تنبیہ کی کہ وہ آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ کریں۔

نوائے صوفیہ: اسلام آباد میں مقیم نوربخشیوں کی تعداد بہت بڑھ چکی ہے جبکہ مسجد صرف ایک ہے جو جمعہ اور عید کے موقعوں پر ناکافی ہے۔ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

حاجی صاحب: میں بہت فکرمند ہوں۔ میرے خیال میں مسجد سے ملحقہ پلاٹ کا معاملہ مستقل بنیاد پر طے کرنے کے علاوہ دوسرے سیکٹروں میں بھی مساجد کی تعمیر کے لئے کوشش ہونی چاہئے۔ حاجی عبدالحکیم مرحوم کی کوششوں سے انجمن محمدیہ کے نام پر بارہ ایکڑ زمین الاٹ ہونے کو تھی مگر بینک بیلنس ناکافی ہونے کی بنیاد پر سی ڈی اے نے اسے منسوخ کیا۔ اس سلسلے میں مرکزی انجمن نے بھی ہمارے سے تعاون نہیں کیا ورنہ آج دارالحکومت میں نوربخشی یونیورسٹی بھی بن سکتی تھی۔

نوائے صوفیہ: اسلام آباد میں نوربخشی بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے آپ نے جو پروگرام شروع کیا ہے کیا آپ اس کے نتائج سے مطمئن ہیں؟

حاجی صاحب: یہ پروگرام بہت اہم تھا کیونکہ اکثر لوگ سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے اپنے بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ نہیں دے پاتے تھے۔ ہم نے ہر سیکٹر میں اساتذہ تعینات کئے ہیں۔ ابھی میں اس کے نتائج سے سو فیصد مطمئن نہیں ہوں والدین کو مزید تعاون کرنا چاہئے اور اپنے بچوں کی جمعہ وجماعت اور مذہبی تقریبات میں شرکت اور دینی تعلیم کو یقینی بنانا چاہئے۔

نوائے صوفیہ: مقامات مقدسہ کی زیارت کا تجربہ کیسا تھا؟

حاجی صاحب: میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ مجھے حج بیت اللہ اور زیارت مقامات مقدسہ کی توفیق نصیب ہو گی۔ لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مذہب حقہ کی خدمت کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادتیں نصیب فرمائیں۔ مقامات مقدسہ کی زیارت کے دوران میرے ساتھ متعدد ایسے واقعات پیش آئے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور ائمہ معصومین کی میرے اوپر خاص نظر کرم ہے۔ طوالت کلام کے

خوف سے تفصیل سے گریز کرتا ہوں۔

نوائے صوفیہ: نور بخشی برادری کے سماجی مسائل کے حل کے لئے آپ کے ذہن میں کیا کیا تجاویز ہیں؟

حاجی صاحب: کافی عرصے سے سوچ بچار کر رہا ہوں کہ سماجی خدمت کا کوئی مربوط سلسلہ شروع ہو۔ شادی بیاہ کی فرسودہ رسموں سے لوگوں کو مالی طور پر زیر بار ہونا پڑتا ہے۔ نیز اپنی کمیونٹی کے اندر رشتے کے بھی مسائل ہیں ان مسائل کے حل کے لئے ہم جلد کوششیں شروع کریں گے۔

نوائے صوفیہ: نوائے صوفیہ کے بارے میں آپ کی رائے؟

حاجی صاحب: میں نے ہمیشہ نشر و اشاعت کی اہمیت کو محسوس کیا ہے اور اس سلسلے میں علامہ صاحب سے بھی گزارشات کی ہیں۔ نوائے صوفیہ نے ماشاء اللہ بین الاقوامی شہرت حاصل کی ہے اور اس رسالے سے مستقبل کی بہت سے امیدیں وابستہ ہیں۔

نوائے صوفیہ: نور بخشی جوانوں کے لئے کوئی پیغام؟



حاجی امین صاحب روضہ امام علی رضاؑ پر حاضری دیتے ہوئے

حاجی صاحب: یہی کہ متحد ہو کر قوم و دین کی بھلائی کے لئے کوشش کریں۔ ہر طرح کی گروہ بندی سے علیحدہ رہنے کے علاوہ تفرقہ بازی کی حوصلہ شکنی بھی کریں۔ حصول تعلیم کو زندگی کی مقصد بنائیں اور خدمت انسانی کو ذاتی مفادات اور خود غرضیوں پر ترجیح دیں۔

☆..........................



جی ایچ معروفی (بائیں) اور ڈاکٹر ایم اے شاہد (دائیں) حاجی خواجہ محمد امین صاحب (وسط) سے انٹرویو لیتے ہوئے

روحانیات (گزشتہ سے پیوستہ)

تجلّی

مولانا انور الکوروی فاضل عربی ایم اے

تجلی کیا ہے؟

تجلی وضاحت طلب چیز ہے اس کی حقیقت جاننے کے لئے ہمیں حق تعالیٰ کے کلام کی طرف غور و فکر مرکوز کرنا ہوگا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں وارد ہوا ہے۔

فلما تجلّی ربہ للجبل دکّا و خرّ موسیٰ صعقاً (سورہ الاعراف)

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

فلما افاق قال سبحانک تبت الیک و انا اوّل المسلمین (سورہ الاعراف آیت ۱۴۳)

جب ہوش میں آیا تو بولا اے اللہ تیری ذات پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

لغت کی رو سے تجلی کے معنی روشنی ہونا، چمکانا، نور پھیلنا، ہدایت کے قابل بنانا اور جھلک دکھانا وغیرہ ہیں۔

حدیث شریف میں تجلی فیہ کے الفاظ روشن ہونا، ہدایت کے قابل بنانا کے معنوں میں آئے ہیں۔ دیگر لغت میں تجلی کے معنی تابع داری، انکساری اور عاجزی وغیرہ بھی آئے ہیں۔

لیکن فلما تجلی ربہ للجبل دکا سے مراد یہ ہے کہ خدا کی نشانیاں پہاڑ پر پیدا ہو گئیں اور تجلی تو ظہور کو کہتے ہیں۔

(مجمع البحرین)

مطلب یہ ہوا کہ تجلی حق تعالیٰ کی اپنی ذات کا ظہور ہوتا ہے۔ بندہ کے دل پر اللہ تعالیٰ کی حقانیت اور نور ہدایت اثر انداز ہو کر صفائے قلب کا باعث بن جاتے ہیں اور اس میں تجلی رب کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس کی بدولت بندہ رب تعالیٰ کی محبت اور عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یعنی تجلی کا معنی و مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے ظہور کی بدولت انسان کا دل اس کا قابل بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ محمود شبستریؒ یوں رطب اللسان ہیں۔

دریں مشہد کہ انوار تجلی است
سخن دارم و لے ناگفتن اولیٰ است

یعنی دل انوارِ تجلی سے بہرہ مند ہونے والی چیز تو ہے مگر اس کی تفصیلات میں نہ جائے تو بہتر ہے۔

فخر السالکین حضرت غیاث نور بخشؒ اس کی یوں توضیح فرماتے ہیں کہ مشہد سے مراد شہود کا محل ہے اور تجلی غیبی انواروں سے دلوں میں آنے والا کشف ہے اور جب سالک کا دل صاف ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ کے انوار سب رنگوں کے ساتھ متمثل ہو کر اس میں دکھائی دیتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اگر مثال ہے تو وادی ایمن کے درخت سے مثال دی گئی ہے جو موسیٰ پر تجلی ہوا۔ (گلشن راز ص ۵۰)

دوسری جگہ تجلی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تجلی گر رسد بر کوہ ہستی
شود چوں خاک رہ ہستی ز پستی

فقہی مسائل

آپکے مسائل اور انکا حل

ابوالعرفان علامہ محمد بشیر

اس عنوان کے تحت ادارے کو موصول ہونے والے مفید سوالات کے جوابات شائع کئے جاتے ہیں۔ اس شمارے کے لئے جن سوالات کا انتخاب کیا گیا ہے ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

سوالات

سوال نمبر ۱۔ کیا نکاح خوانی کے موقع پر لڑکی کے حق میں ماہواری وغیرہ سے پاک ہونا ضروری ہے؟

سوال کنندہ ایک خاتون اسلام آباد

سوال نمبر ۲۔ فکسڈ ڈپازٹ وغیرہ کی صورتوں میں بینک میں رکھی گئی رقوم پر ملنے والا نفع ہمارے لئے درست ہے یا نہیں؟

سائل نائیک علی موسیٰ شگری 2 NLI

سوال نمبر ۳۔ کسی جنگل یا میدان میں نماز پڑھتے وقت سجدہ گاہ کے لئے پتھر وغیرہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال نمبر ۴۔ شدید ترین سردی میں بلند پہاڑی مقامات پر پاپوش پہن کر نماز کی جاآوری کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل ممتاز علی براہ خپلو

جوابات

جواب نمبر ۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

نکاح خوانی کے موقع پر شرعاً ایسا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

جواب نمبر ۲۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

اگر حقیقتہً نفع اور نقصان میں شرکت کا کھاتہ ہو اور ملنے والے منافع کی مقدار حصہ مشاع کی صورت میں ہو یعنی نفع کا آدھا حصہ، تہائی، چوتھائی وغیرہ کی صورت میں، تو یہ درست ہے۔ اگر فیصد کی صورت میں ہو جیسا کہ آج کل رائج یعنی نفع حصہ مشاع نہ ہو بلکہ دس فیصد، تیرہ فیصد وغیرہ کی صورت میں ہو تو یہ درست نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سود ہے۔ حصہ مشاع کی صورت میں ہو تو وہ سود نہیں لہٰذا وہ درست ہے۔ اس قسم کے سوال کا جواب سابقہ شماروں میں بھی گزر چکا ہے۔ تاہم مزید وضاحت کے ساتھ سائل کو مطمئن کیا گیا ہے۔

جواب نمبر ۳۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

جی ہاں سجدہ گاہ کے لئے پتھر وغیرہ کا رکھنا جائز ہے مگر شرعاً ضروری نہیں۔

جواب نمبر ۴۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

جی ہاں۔ شدید ترین سردی میں ایسے مقامات پر بوٹ وغیرہ پہن کر ہی نماز کی جاآوری کی جاسکتی ہے۔ ورنہ شدید نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔

امید ہے کہ سائلین جوابات سے مطمئن ہوں گے۔

اخبار التصوف

دنیائے تصوف/کی خبریں

جی ۔ ایچ معروفی

بحرین کے نوربخشیوں کا پیغامِ تہنیت :

ہم بحرین میں مقیم نوربخشی نوجوان اور دیگر بیرون ملک مقیم نوربخشیوں کے لئے خوشی کا مقام ہے کہ علماء صوفیہ نوربخشیہ نے اظہار و یک جہتی کا بے مثال مظاہرہ کیا ہے۔ اب کسی نوربخشی کو بھی اپنے مذہب کا امتیازی نام کتابوں میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ ہر کوئی صوفیہ نوربخشیہ کا نام لے کر فخر سے سر اٹھا کر چلے گا۔ ہم تمام علمائے کرام کے شکر گزار ہیں جنہوں نے اہل عالم کے آگے ہمیں سرخرو ہونے کا موقع دیا۔ علمائے نوربخشیہ کو مشرق و مغرب میں دین حق کی تبلیغ کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے رسالے کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے۔

محمد ندیم منڈوقپہ، غلام نبی اخوپہ،
غلام رسول، مہدی، یوسف و دیگر
نوجوانان مقیم بحرین عرب امارات

حضرت فاطمہ زہرا کا یوم ولادت :

یکم اکتوبر کو جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ اسلام آباد میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے یوم ولادت کے موقع پر ایک باوقار تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقع پر علامہ محمد بشیر نے سامعین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضرت فاطمہؑ خاتون جنت ہیں اور آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کی ٹھنڈک ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مؤدت کے زبانی دعوؤں کی بجائے آپ کی سیرت مطہرہ پر عمل پیرا ہونے میں نجات کا راز مضمر ہے۔ اہل اسلام کو دور جدید میں جو مسائل درپیش ہیں وہ اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ اس تقریب میں نعت خوانوں نے نعتیں اور قصائد پیش کیے۔

معروفی

تنظیم فدائیانِ آلِ رسول کا یومِ تاسیس :

تنظیم فدائیان آل رسول صوفیہ نوربخشیہ کریس کے گیارھویں یوم تاسیس کے موقع پر ایک عظیم الشان جلسہ زیر صدارت سید محمد شاہ صاحب نورانی پیر صوفیہ نوربخشیہ مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۹۹ کو بمقام جامعۃ الصفہ کریس منعقد ہوا جس کے مہمان خصوصی مولانا محمد علی عارف اور جناب ضامن علی بلغاری تھے۔ تلاوت اور نعت رسولؐ اور منقبت شاہ سید کے بعد اصغر علی طالب علم نے حقیقت تصوف کے موضوع پر اظہار خیال کرتے

ہوئے اس دور پرفتن میں تصوف کو خدا تک رسائی کا بہترین راستہ قرار دیا۔ غلام علی حیدری نے اپنی تقریر میں کشمیری مسلمانوں پر بھارت کے مظالم کی مذمت کی۔ عارف حسین نے اتحاد بین المسلمین کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ دیگر مقررین میں محمد حسن جنیدی اور مہمانان خصوصی شامل تھے جنہوں نے حصول علم اور اتحاد و اتفاق کی اہمیت پر زور دیا۔ سید محمد شاہ نورانی صاحب پیر صوفیہ نوربخشیہ نے صدارتی خطبے میں ماضی کے چند تلخ تجربات کا ذکر کرتے ہوئے معاہدہ بلغار کی اہمیت واضح کی انہوں نے کہا کہ ماضی سے سبق سیکھنا اور مستقبل کی پیش بندی کرنا زندہ قوموں کی نشانی ہے۔ آخر میں انہوں نے کریس کے مختلف سکولوں میں نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء میں انعامات تقسیم کئے۔ اور مولانا محمد علی عارف نے اسلام کی سربلندی اور پاکستان کی سلامتی اور استحکام کے لئے دعا کی۔

محمد اصغر سیکرٹری نشر و اشاعت

اظہار تشکر :

ہم اراکین نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن گانچھے نوجوانان بلغار، منتخب علماء کمیٹی اور ثالثین کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے انتہائی خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملت نوربخشیہ میں پائی جانی والی بے چینی کو وقت کے تقاضوں کے مطابق احسن طریقے سے دور کیا یہ کارنامہ نوربخشی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ہم ہر فرد نوربخشی سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ کہ اس معاہدے کو بلا چون وچرا قبول کریں۔

صدر نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن

ضروری اعلان :

انجمن صوفیہ نوربخشیہ بلغار معاہدہ بلغار اور مستقبل کی پلاننگ کے حوالے سے علماء کرام اور دانشوروں کی آراء پر مشتمل ایک کتاب جلد شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے درج ذیل علماء کرام اور دانشوروں کو فیصلہ نامہ کی کاپی اور منسلک خطوط بذریعہ ڈاک ارسال کر دیئے ہیں اگر کسی صاحب کو یہ ڈاک وصول نہیں ہوئی ہے تو اس اعلان کے جواب میں اپنی آراء سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔ ساتھ دیگر علماء دین اور دانشور حضرات جن کے اسمائے گرامی سہواً اس فہرست میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں وہ بھی اپنی تجاویز جلد ارسال فرمائیں۔ ہم نے اس تاریخی معاہدے کے تمام لمحات کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا ہے جس کی کاپی مبلغ ۲۵۰ روپے کی ادائیگی پر انجمن ہذا سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

علمائے کرام اور دانشور حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں

۱۔ جناب سید محمد شاہ صاحب پیر صوفیہ نوربخشیہ
۲۔ جناب سید علی شاہ صاحب گلشن کبیر (پھڑوا)
۳۔ جناب مفتی عبداللہ صاحب خپلو
۴۔ جناب سید حمایت حسین صاحب خپلو
۵۔ جناب مولانا عبدالسلام صاحب خپلو
۶۔ جناب فقیر محمد ابراہیم صاحب خپلو
۷۔ جناب مولانا غلام حسن حسنو صاحب خپلو
۸۔ جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب فیضی خپلو
۹۔ جناب مولانا محمد حسن علی صاحب سرمو
۱۰۔ صدر انجمن صوفیہ نوربخشیہ خپلو مرکز
۱۱۔ صدر انجمن و میر واعظ چھوربٹ مرکز
۱۲۔ جناب صوفی غلام محمد صاحب مقیم سکردو

۱۳۔ جناب علامہ علی محمد ہادی پرنسپل مدرسہ شاہ ہمدان سکردو
۱۴۔ جناب غلام علی حیدری صاحب سکردو
۱۵۔ جناب صوبیدار محمد ابراہیم صاحب بلغاری سکردو
۱۶۔ جناب مولانا حسن نوری صاحب
۱۷۔ جناب مولانا مراد علی نوری صاحب
۱۸۔ جناب سید جمال الدین صاحب براہ
۱۹۔ جناب علامہ محمد بشیر صاحب براہ اسلام آباد
۲۰۔ جناب سید محمد صاحب کھرکوہ
۲۱۔ جناب الحاج اخوند محمد تقی الحسینی کھرکوہ
۲۲۔ جناب الخبیر محمد نذیر صاحب کھرکوہ
۲۳۔ جناب مولانا عبدالغفور صاحب ڈوغنی
۲۴۔ جناب سید علی صاحب تھلے
۲۵۔ جناب سید محمد شاہ صاحب تھلے مقیم خپلو
۲۶۔ جناب مولانا غلام حسین نورانی صاحب تھلے
۲۷۔ جناب محمد ابراہیم ثنائی صاحب تھلے
۲۸۔ جناب سید حسن شاہ صاحب شیگر مقیم سکردو
۲۹۔ جناب سید نواز حسین صاحب میر واعظ گلاب پور شیگر
۳۰۔ جناب ڈاکٹر غازی محمد نعیم صاحب اسلام آباد
۳۱۔ جناب ذاکر حسین ذاکر صاحب سکردو
۳۲۔ جناب مولانا شکور علی انور صاحب مقیم گلگت
۳۳۔ صدر انجمن کورو
۳۴۔ جناب سید سعادت جان صاحب کورو
۳۵۔ جناب انجینئر شجاع کوروی
۳۶۔ جناب ڈاکٹر گلزار حسین بلغاری سعودی عرب
۳۷۔ صدر انجمن محمدیہ صوفیہ نوربخشیہ اسلام آباد
۳۸۔ جناب حاجی شاہ اللہ صاحب ڈی۔سی سکردو
۳۹۔ جناب اشرف صاحب ایس پی کوہستان
۴۰۔ جناب ذوالفقار یونس صاحب کراچی
۴۱۔ جناب محمد علی صاحب کھرکوی مقیم اسلام آباد
۴۲۔ جناب ڈاکٹر نیاز علی صاحب سکردو
۴۳۔ جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل ذبیح صاحب خپلو
۴۴۔ جناب غلام نبی شاہین صاحب مقیم سعودی عرب
۴۵۔ جناب محمد اسحاق شہبازی صاحب خپلو
۴۶۔ جناب غلام مہدی صاحب انسپکٹر سکردو
۴۷۔ جناب مولانا عبدالحلیم جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ کراچی
۴۸۔ جناب شیخ سکندر حسین صاحب پرنسپل جامعہ کراچی
۴۹۔ جناب کرنل غلام حیدر صاحب کراچی
۵۰۔ جناب جج محمد علی سرپرست اعلیٰ مدرسہ شاہ ہمدان سکردو
۵۱۔ جناب شیخ محمد محسن صاحب بلغاری
۵۲۔ جناب عبدالکریم صاحب اے سی
۵۳۔ جناب ڈی ایس پی حسین شیگری صاحب
۵۴۔ صدور انجمن نوربخشیہ لاہور کوئٹہ راولپنڈی
۵۵۔ میر واعظ و صدر انجمن تھگس خپلو

بیرون ملک صوفیہ نوربخشیہ کی تنظیموں اور انجمنوں کے صدور سے گزارش ہے کہ وہ بھی اپنے تاثرات اور نیک مشورے جلد از جلد ارسال فرمائیں۔

طالب دعا:

زیڈ اے بلغاری و محمد امین
منتظم اعلیٰ سکریٹری جنرل
انجمن صوفیہ نوربخشیہ بلغار
ڈاکخانہ ڈغونی ضلع گانچھے
سکردو بلتستان پاکستان

نامۂ سالک

قارئین کے خطوط

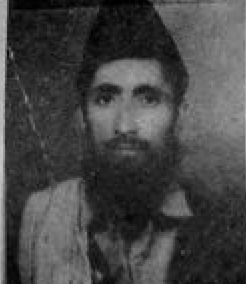
بومیو ڈاکٹر ایم ۔ اے شاہد

کچھ عرصہ ذاتی مصروفیات کی وجہ سے رابطہ نہ رہا۔ اب انشاء اللہ دوبارہ نوائے صوفیہ سے ناطہ جوڑ لیا ہے۔ میرے نوائے صوفیہ وہ واحد رسالہ ہے جس نے دنیا میں بسنے والے سب نوربخشیوں کو یکجا کیا ہے۔



عبدالخالق صاحب صدر صوفیہ نوربخشیہ متحدہ عرب امارات

نوائے صوفیہ کے لئے سالانہ چندہ اور دیگر رسالوں کی قیمت ارسال ہے۔ آئندہ رسالہ بروقت ارسال کریں۔



مولانا غلام محمد صاحب مدرس نمائندہ نوائے صوفیہ سلترو

جیسا کہ پہلے اعلان کر چکا ہوں کہ میں نوائے صوفیہ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نیا ایڈریس شائع کریں۔ اس وقت قاری مولانا محمد ابراہیم صاحب سرمو کی خوبصورت آواز میں اوراد فتحیہ کمپیوٹر سی ڈی پر ریکارڈ ہو چکے ہیں۔ خواہشمند حضرات رابطہ کریں۔

محمد یعقوب براہوی

کمرہ نمبر ٣١٢ ہوسٹل نمبر ١٨

نیو کیمپس پنجاب یونیورسٹی لاہور

اس سے قبل بھی ایک خط ارسال کیا تھا۔ امید ہے مل گیا ہوگا۔ اس بار ایک مختصر سا مضمون بعنوان 'فضیلت ذکر' پیش خدمت ہے۔ لائق اشاعت ہو تو نوک پلک درست کر کے شائع کریں۔

غلام حسن ٹیگری چلاس

ملت نوربخشیہ کی ترویج و تشہیر میں نوائے صوفیہ کا کردار بے مثل ہے۔ ہر ماہ اس رسالے کا انتظار رہتا ہے اس کے باوجود جون اور جولائی کے شمارے نہیں ملے۔

محمد طاہر اینڈ برادرز کورو

بلغار کے نوجوانوں کی کوشش سے ملت نوربخشیہ پھر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہوگئی ہے۔ نوائے صوفیہ کی وساطت سے اولیائے کرام کے حالات پڑھنے کو ملتے ہیں مگر ائمہ کرام کے حالات کے بارے میں مضامین شائع نہ ہونا قابل افسوس ہے۔

فدا علی فیلڈ اسسٹنٹ

گلشن کبیر پھڑوا

نوائے صوفیہ میں بارہ ائمہ معصومین کے بارے میں بھی مضامین شائع کریں۔

غلام حسین کریس

جواب: نوائے صوفیہ میں قلمکاروں کے ارسال کردہ مضامین شائع ہوتے ہیں بد قسمتی سے کوئی بھی قلمکار ائمہ کرام کی سیرت پر لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ اگر ایسے مضامین وصول ہو جائیں تو ہم اہتمام سے شائع کریں گے۔

نوائے صوفیہ میں علماء کرام خصوصاً قبلہ علامہ صاحب اور مولانا شکور علی انور کے مضامین بین الاقوامی معیار کے ہیں۔ اللہ ان کے قلم میں اور روانی پیدا کریں۔

غلام ہادی غورسے

اس بار نوائے صوفیہ میں بعض مقامات پر ائمہ معصومین اور خلفاء راشدین کے ناموں کے ساتھ حضرت کا لفظ نہیں لکھا گیا۔ نیز درود شریف کے الفاظ پر بھی غور کی ضرورت ہے۔

اخوند ذاکر علی گوما سنگجی

نوائے صوفیہ کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتا ہوں۔

برائے مہربانی بروقت ارسال کیا کریں۔ نوائے صوفیہ کے تمام مضامین لاجواب ہیں۔

غلام رسول این وائی ایف کورو خانقاہ

نوائے صوفیہ کے معیاری مضامین نے لوگوں کے دلوں میں ہلچل سی مچادی ہے۔ "روح اور روحانیت" اور "آپ کے مسائل" اور ان کا حل جیسے مضامین کی اشاعت جاری رکھیں

کراچی میں قیام کے دوران نوائے صوفیہ کا مستقل قاری اور خریدار تھا۔ کچھ ذاتی وجوہات کی بنا پر چند ماہ نوائے صوفیہ سے دور رہا۔ یہ عرصہ زندگی بہت بے چینی میں گزرا۔ اب پھر سے نوائے صوفیہ کے قریب آگیا ہوں اور دل کا قرار حال ہوا ہے۔ رسالے میں علمائے اور دانشوروں کے انٹرویو شائع کرنے کا بندوبست کریں۔

مہدی حسن گلشن کبیر

گزشتہ ماہ کرگل کے محاذ پر ڈیوٹی کے دوران چندہ ارسال نہ کر سکا۔ رسالے کی ترسیل جاری رکھیں انشاء اللہ پہاڑوں سے اتر کر چندہ ارسال کروں گا۔ دیر کے لئے معذرت۔

سپاہی مہدی شاہ شہباز کھرکوی

آپ لوگوں نے شبانہ روز کی محنت سے نوائے صوفیہ کے ذریعے شاہ سید نور بخشؒ کے گلشن کو پھر سے پر بہار بنادیا۔ میرا ایڈریس تبدیل ہوگیا ہے۔ نیا ایڈریس نوٹ کرلیں۔

نائیک کلرک سخاوت حسین مری ہلز

مردِ خود آگاه

پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند
جهانی را دگرگون کرد یک مرد خود آگاهی

سرودهٔ: دکتر محمد حسین تسبیحی رها

چنین گفتم همان مرد سخندان سخن گستر — که او مرد خود آگاه است و دنیا را کند دیگر
جهانی را به شعر خود، نماید راه آزادی — همه برتر، همه بهتر، همه بر ملکِ خود رهبر
جوانان خرد مند و همه آزادگان دین — اگر خوانند و دریابند و می جویند زر و گوهر
بود نیکو سخنهایش، نشیند بر دل و جان ها — اگر پیوسته برخوانند، شود این زندگی خوش تر
شناسای "خودی" باشد، برای خود شناسی ها — "خودی" آمد نشان او، به "اسرار و رموز" اندر
کمال آدمیت را "خودی" آورده پیشِ ما — "خودی" شد هر مسلمان را، طلایه دارِ هر لشکر
همان "مرد خود آگاه" آمده پیامبر اسلام — بیایید ای همه مردم، به راهِ مردِ پیامبر
نورد خواب و نشستن شد، شکستِ راهِ آزادی — بپرهیزید از این هر سه، وگرنه می شوید ابتر
دگرگون کردن دنیا به عشقِ حضرت اقبالؒ — جهادِ اکبر و اصغر، کند واژون جهان یکسر
به تعلیم و تعلم، پیرِ تعلیمِ محبت شد — همین "مرد خود آگاه" و خودی جوی و خودی گستر
صفاتِ مردِ دانا شد، خود آگاهی، خدا جویی — همان علامهٔ مشرق، همان خورشید در خاور
"محمد" با "علی" باشد، "جناح" راهِ آزادی — شده تاسیس پاکستان به کوششهای آن سرور
چنان در مقصدِ انسان، بود کوشنده و ستوار — که گوی همت از حق دارد و دانش ز پیغمبر
مصور گشته پاکستان به فکرِ شاعر مشرق — "خودی" داده خود آگاهی مثالِ شمسِ روشنگر
وفا و صدق و عهدِ او بود در شعر او پنهان — شود پنهان او ظاهر، ز کوشش های بالاتر
خود آگاهانِ این دنیا، همه مسئول انسان ها — محب و مهربان و باوفا، صادق به هر کشور
خوشی و ناخوشی یکسان بود بر مرد خود آگاه — همین باشد نشانِ مرد خود آگاهِ خدمتگر
بیایید ای خودآگاهان به اصلاحِ جهان کوشید — همین آمد پیام حضرت اقبالؒ جان پرور
علمبردار اسلام و محبِ جمله انسان ها — خودی باشد، خودی باشد، به حق حضرت داور
نوای صوفیه دارد "خودی" را در "خودآگاهی" — از آن "مرد خود آگاه" آمده این مشعلِ انور
"خودی" پیوسته جان و دل بده "رها" هر دم — بود وردِ زبانِ من همان "اقبال" خوش گوهر